مجلّہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایما اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا۔

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوع اسلام

ماھنامہ ______ لاھور

خط و کتابت: ناظم ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) 25 بی گلبرگ۔ 2 لاہور 54660 ٹیلی فون: 876219 فیکس: 92-42-876219

فہرست مشمولات

لمعات	ادارہ	2
بانیٔ تحریک کا پیغام (عملی پروگرام)	علامہ غلام احمد پرویزؒ	6
اجمالی تعارف تحریک طلوع اسلام	محمد عمر دراز	8
قائداعظمؒ	صفدر سلیمیؒ	13
حضرت عیسیٰؑ کی انقلابی آواز	ادارہ	34
ہماری معاشی بیماریاں	ڈاکٹر صلاح الدین اکبر	36
اساس پاکستان خطرے میں	علی محمد چدھڑ	42
روئیداد کنونشن	محمد لطیف چوہدری	49
تبصرہ ۔۔ کامیابی کے سات گر	ادارہ	64

انتظامیہ:- چیئرمین: ایاز حسین انصاری ۔۔ ناظم: محمد لطیف چوہدری
مدیر مسئول: محمد لطیف چوہدری ۔۔ مجلس ادارت: میجر محمد یوسف ڈار۔ محمد عمر دراز۔ ڈاکٹر صلاح الدین اکبر ۔۔
ناشر: عطاء الرحمٰن ارائیں
طابع: خالد منصور نسیم ۔۔ مطبع: النور پرنٹرز و پبلشرز 3/2 فیصل نگر ملتان روڈ لاہور۔
مقام اشاعت: 25-B گلبرگ 2 لاہور۔ 54660

جلد 48 | شمارہ 12 | دسمبر 1995ء

بدل اشتراک

فی پرچہ =/10 روپے
اندرون ملک سالانہ 120 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ 550 روپے
آسٹریلیا، امریکہ، کینیڈا 750 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

آشیاں جس شاخ پہ تھا---

مسلمانوں نے ہسپانیہ میں قریب آٹھ سو سال تک حکومت کی۔ حکومت بھی اس شان اور دبدبے کی کہ سارے یورپ میں ان کی دھاک بیٹھ گئی۔ ان کی شوکت و حشمت' دولت و ثروت' قوت و اقتدار تو ایک طرف' ان کے ذوقِ جمالیات کا یہ عالم تھا کہ ان کے دور کی عمارات میں سے جو دو ایک' عیسائیت کے تعصّب کی کُدال سے بچ گئی ہیں' وہ ساری دنیا کے اربابِ نظر کا قبلۂ مقصود بنی ہوئی ہیں۔ انہوں نے آٹھ سو سال تک اس ملک میں حکومت کی' لیکن آج اس ملک میں عام مسلمان تو ایک طرف' ان کے سلاطین میں سے بھی کسی کی قبر کا نشان تک باقی نہیں۔ ہم جب تاریخ میں اس قوم کے عروج اور زوال کی داستان پڑھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ قوم کسی اتفاقی حادثے سے راتوں رات تباہ نہیں ہو گئی تھی' بلکہ یہ لوگ بتدریج تباہی کے غاروں کی طرف بڑھتے رہے اور اس طرح آہستہ آہستہ ختم ہو گئے۔

جو بات سمجھ میں نہیں آتی وہ یہ ہے کہ جب وہ قوم آہستہ آہستہ تباہی کی طرف جا رہی تھی تو اس قوم کو کیا ہو گیا تھا کہ وہ یہ سب کچھ خاموشی سے دیکھتی رہی اور اس نے تباہی سے بچنے کے لئے کچھ نہ کیا؟ کیا ایک قوم اس حد تک پاگل ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے گھروں کے جلنے کا تماشہ خاموش بیٹھی دیکھتی رہے؟۔ ایک پابندِ قفس پرندہ تو بصد حسرت و یاس یہ کہہ سکتا ہے کہ

آشیاں جلتا رہا' ہم ناتواں دیکھا کئے

لیکن کیا ایک آزاد قوم بھی اس مقام تک پہنچ سکتی ہے؟ یہ بات کچھ کچھ ہماری سمجھ میں اس وقت آئی جب مشرقی پاکستان ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا۔ مشرقی پاکستان نہ کسی ہنگامے کی نذر ہوا تھا اور نہ اسے کسی زلزلے نے نگل لیا تھا۔ اس خطۂ پاکستان کی علیحدگی کی سکیم اس وقت طشت از بام ہو گئی تھی جب مجیب الرحمان نے اپنے چھ نکات پیش کئے تھے۔ اس نے وہاں اپنی پرائیویٹ فوج بنائی' بغاوت کے سارے سامان تیار کئے اور ہندوستان سے فوجیں تک بلوا لیں۔ قوم یہ سب کچھ "ٹک ٹک دیدیم' دم نہ کشیدیم" کے انداز سے دیکھتی رہی اور ملک ہاتھوں سے نکل گیا۔

کہا جا سکتا ہے کہ یہ خطہ زمین ہم سے بہت دور تھا' ہمیں علم ہی نہ ہو سکا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے! لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ جداگانہ قومیت کا جو جذبہ بنگالیوں کے دل میں ابھرا تھا کیا وہی جذبہ اب ہمارے ہاں'

سندھ میں بیدار نہیں ہو رہا۔ کیا ہمارے ہاں چار قوموں کا نعرہ بلند نہیں کیا جا رہا؟۔ چار قوموں کا اگلا قدم چار سرکاری زبانوں کا تصوّر ہے جسے اس وقت نہایت معصومانہ انداز میں اٹھایا اور آگے بڑھایا جا رہا ہے۔ سرحد میں ولی خان کی سیکولرزم' سندھ میں جئے سندھ کا نعرہ اور کراچی میں آباد مہاجروں کا پانچویں قوم کے روپ میں سر اٹھانا کیا کسی کو نظر نہیں آرہا؟۔

یہ ہے جو کچھ اس وقت وطنِ عزیز میں ہو رہا ہے۔ اسے دیکھئے اور سوچئے کہ جو کچھ یہاں ہو رہا ہے کیا یہ بعینہٖ وہی نہیں جو مشرقی پاکستان میں ہوا تھا؟ اور اگر یہاں بھی وہی کچھ ہو رہا ہے تو کیا اس کا نتیجہ بھی وہی نہیں برآمد ہو گا جو وہاں نمودار ہوا تھا؟ یہ فطرت کا اٹل قانون ہے کہ ایک قسم کا سبب (Cause) ہمیشہ ایک ہی قسم کا نتیجہ (Effect) مرتب کرتا ہے۔

یہ سب کچھ قوم کے سامنے ہو رہا ہے لیکن نہ کوئی اس سے پریشان نظر آتا ہے نہ فکر مند۔ اربابِ اقتدار یہ سوچ کر مطمئن ہیں کہ قوم نے ہمیں پانچ سال کے لئے منتخب کیا ہے' اس لئے اس سے قبل کوئی ہمیں ہمارے مقام سے ہلا نہیں سکتا۔ جو اربابِ سیاست اقتدار حاصل نہ کر سکے' ان کی تان از سرِ نو انتخابات پر ٹوٹتی ہے اور عوام ہیں کہ بلا ملّاح کی کشتی کی طرح موجوں کے رحم و کرم پر چلے جا رہے ہیں۔ قوم یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے اور صورتِ آئینہ خاموش بیٹھی ہے۔ غالباً اس انتظار میں کہ یہ تماشہ ختم ہو جائے تو پھر ایک اور "حمود الرحمٰن کمیشن" بٹھا دیا جائے تاکہ تحقیق کرنے کے لئے کہ ہماری بربادی کا سبب کیا تھا؟۔ لیکن انہیں کون بتائے کہ اگر (خاکم بدہن) یہ خطّۂ زمین ہی نہ رہا تو "حمود الرحمٰن کمیشن" بٹھائے گا کون؟

ہم نے پاکستان کا مطالبہ اس دعویٰ کی بنا پر کیا تھا کہ اسلام کی رو سے وطن کی حدود قومیت کی تشکیل میں کچھ معنی نہیں رکھتیں۔ بالفاظ دیگر اس کا مطلب یہ تھا کہ پاکستان میں بسنے والے تمام مسلمان ایک قوم کے افراد ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ انگریزوں کی عملداری میں یہ ملک مختلف صوبوں میں بٹا ہوا تھا۔ ادھر مشرقی بنگال' ادھر پنجاب' سرحد' بلوچستان اور سندھ۔ ہر چند کہ یہ تقسیم انتظامی امور کے لئے تھی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ تقسیم مسلمانوں میں نسلی تفریق کا باعث بن چکی تھی۔ ہم نے یہاں پہنچ کر اس نسلی تفریق کو مٹانے کے لئے' جو صوبوں کی لکیروں سے بہت آگے بڑھ کر پختہ نقوش کی شکل اختیار کر چکی تھی' کوئی عملی قدم نہ اٹھایا۔ نتیجہ سامنے ہے۔ مشرقی پاکستان الگ ہو چکا ہے اور یہاں بھی کہیں صوبائی خود مختاری کا راگ سننے میں آرہا ہے اور کہیں زبان کی بنیاد پر تقسیم در تقسیم کے مطالبات سر اٹھا رہے ہیں۔ مہاجرین بھی جو ہندوستان میں اپنے صوبے چھوڑ کر پاکستان میں آئے تھے' اپنے آپ کو پانچویں قوم کے طور پر منوانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ کاش یہ بات ہماری سمجھ میں آجاتی کہ مسلمان' ایمان (یا آئیڈیالوجی) کے اشتراک سے ایک مستقل' جداگانہ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی ہمارے مطالبے کی بنیاد تھی اور اسی سے ہم نے پاکستان حاصل کیا تھا۔ بالفاظ دیگر اس ملک کی بقا اس میں ہے کہ ہم سب اسلام کا پرچم مضبوطی سے تھامے رہیں اور اس خطّۂ زمین کو' مسلمانوں کی مسجد کا مقام دیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ سیاستدانوں کے افتراق یا اربابِ شریعت کی غفلت سے یہ

تصوّر جب بھی ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوا' ہم پاکستانی نہ رہے۔ کبھی سندھی' پنجابی' بلوچی اور پختون بن کر اُبھرے اور کبھی بنگالی بن کر الگ ہو گئے' لہٰذا ہماری آنے والی نسلوں کی بقا اسی میں ہے کہ ہم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں اور سندھی' پنجابی' بلوچ' پٹھان یا مہاجر کہلانے کی بجائے مسلمان کہلانے میں فخر محسوس کریں۔ اگر ہم بحیثیت ایک قوم کے جینا چاہتے ہیں تو ہمیں افتراق و انتشار کے وہ تمام نشانات' چاہے وہ سیاسی ہوں یا معاشرتی' مذہبی ہوں یا لسانی' ایوان ہائے اقتدار پر چسپاں ہوں یا مساجد و محراب پر کندہ' مٹانے ہونگے ورنہ ہم نہ مسلمان بن سکیں گے نہ پاکستانی۔

علاوہ ازیں ملک میں جس سرعت سے جرائم کی آگ پھیل رہی ہے۔ اسے دیکھ کر ہر قلبِ حساس پریشان ہے۔ نئی حکومت کو برسراقتدار آئے بھی تین سال ہونے کو آئے ہیں۔ اس وقت تک ان کی طرف سے تعمیری کاموں کے وعدے تو بہت ہوئے ہیں' سکیمیں بھی بہت سی مرتب ہوئی ہیں' ملک میں ڈالروں کے سیلاب کی نوید جاں فزا بھی سنائی دی' لیکن عوام کی حالت بد سے بدتر ہو رہی ہے۔ نظم و نسق تہ و بالا ہے۔ قانون کا احترام' پہلے بھی کم ہی تھا' اب تو بالکل ہی اٹھ گیا ہے۔ جرائم عام ہیں' جنسی تشدد اور قتل و غارت روز کا معمول بن چکے ہیں۔ پُرامن شہری ہر وقت ترساں و لرزاں دکھائی دیتے ہیں۔ عوام کی معاشی حالت اس قدر سقیم ہو گئی ہے کہ ملک کی کثیر آبادی کے لئے جسم و جان کا رشتہ قائم رکھنا دشوار ہو رہا ہے۔ کاروبار ختم ہو کر رہ گئے ہیں۔ بیکاری بڑھ رہی ہے۔ ٹیکسوں کی وصولی کا جابرانہ نظام اور ان میں روز افزوں اضافے نے عوام کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ مگر اربابِ حکومت مطمئن ہیں کہ بین الاقوامی مالیاتی ادارے ان کی کارکردگی سے خوش ہیں اور ملک بقول ان کے دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔

کہتے ہیں روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا۔ نیرو بانسری بجا رہا تھا یا نہیں' اس کا تو ہمیں علم نہیں لیکن ہماری حکومت ان دنوں یقیناً بانسری بجا رہی ہے۔ یقین نہ آئے تو کسی وقت بھی اپنے ٹیلی وژن کا سوئچ آن کیجئے۔ کوئی سا چینل لگائیے۔ ہر چینل سے ہر وقت' ہر آن' بلکہ چوبیس گھنٹے رقص و سرود کے ایمان سوز نظارے اور بانسری کی ایسی سریلی تانیں سنائی دیں گی کہ نیرو بیچارا بھی شرم سے منہ چھپا رہا ہو گا۔ رنگ و روشنی کی نمائش اور فلمی ستاروں کی پبلسٹی کے علاوہ آج کا ٹیلی وژن' فیشن پرست خواتین کو میک اپ سکھانے میں مشغول ہے یا دستر خوان سجانے میں مصروف۔ کاش اس قیمتی ذریعہ ابلاغ سے غریبوں کو روزی کمانے کے گُر سکھائے جاتے یا محنت کشوں کو یہ بتایا جاتا کہ اپنی محدود آمدنی میں وہ اپنے بچوں کی تعلیم کہاں اور کس طرح جاری رکھ سکتے ہیں۔ قوم سسک رہی ہے۔ روز افزوں مہنگائی کے استخواں شکن بوجھ تلے دبے ہوئے محنت کش جگہ جگہ ماتم کناں ہیں لیکن قوم کی معاشرتی زندگی کا عکّاس' ہمارا قومی ٹیلی وژن ناموسِ ملّت کو فیشن شو میں سجانے کے جہادِ عظیم میں مصروف ہے۔ مگر ٹھہریئے! ایک ٹیلی وژن ہی سے کیا گلہ' یہاں تو اربابِ حکومت کی ساری ترجیحات' سرکاری خزانے کی ساری وسعتیں' جہادِ زندگانی کی ساری بیش سامانیاں' سماجی' اقتصادی اور معاشرتی منصوبوں کے سارے اہداف' صرف اور صرف ان 15 فیصد لوگوں کے لئے ہیں جو کشتی کی اُوپر والی منزل

میں سوار ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ ہم بوریہ نشینوں کے اس ننھے سے چراغ کی لَو حکمرانوں کے چکا چوند ایوانوں میں ارتعاش پیدا نہ کر سکے گی۔ اسی لئے ہم نے ان کے سامنے اس ذاتِ گرامی کا قول پیش کرنے کا فیصلہ کیا ہے، جسے خود خالق کائنات نے سراج منیر کہہ کر پکارا ہے کہ جس کے سامنے نہ قیصر کی جاہ و حشمت ٹھہر سکی نہ کسریٰ کی شان و شوکت کو یارائے سخن ہوا۔ اس ذات اقدس کے فرمان کو سنئے۔ اس کے ایک ایک لفظ پر غور کیجئے اور ہو سکے تو اسے ایوانِ سلطنت کے در و دیوار پر لکھوا دیجئے تاکہ پالیسیاں مرتب کرتے وقت حضورؐ کا یہ قول پالیسی سازوں کی نگاہوں کے سامنے رہے۔

حضور نبی اکرمؐ نے نظام سرمایہ داری کے علمبرداروں کو واشگاف الفاظ میں وارننگ دی تھی کہ اگر تم نے اس نظام کو نہ بدلا تو ایک وقت آئے گا جب یہ نادار محنت کش تنگ آکر تمہارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور اپنے ساتھ تمہیں بھی لے ڈوبیں گے۔ اسے حضورؐ نے ایک مثال کے ذریعے واضح کیا تھا' آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ۔

"کچھ لوگ ایک کشتی میں سوار ہوئے' ان میں سے کچھ اُوپر کے حصے میں پہنچ گئے اور کچھ نچلے حصے میں چلے گئے۔ جو نچلے حصے میں تھے وہ پانی لینے کے لئے اُوپر گئے تو اُوپر والوں نے انہیں یہ کہہ کر پانی لینے سے روک دیا کہ اس سے ان کے آرام میں خلل واقع ہوتا ہے۔ نیچے والوں نے کہا کہ بہت اچھا' ہم نیچے کشتی میں سوراخ کر کے پانی لے لیں گے۔ اب اگر نیچے والوں کو پانی دے کر اس سے نہ روکا گیا تو ظاہر ہے کہ نیچے اور اُوپر والے سب غرق ہو جائیں گے۔ اگر انہیں پانی دے کر اس سے روک دیا جائے تو سب بچ جائیں گے۔"
(ترمذی)

ارباب بست و کشاد اور مرفّع الحال لوگوں کو یہ جان لینا چاہئے کہ

اقبالؒ کے دیئے گئے تصور کے اس وطن میں اس حد تک زیست دشوار نہ کر دیں کہ اقبالؒ ہی کے لفظوں میں کاخِ اُمراء کے در و دیوار ہلا دینے کے لئے غریب لوگ اٹھ کھڑے ہوں۔ ڈریں اس دن سے جب وہ یہ فیصلہ اور عزم کر لیں کہ

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

وہ دن مکافاتِ عمل کا دن ہو گا۔ پھر اس دن کوئی ماضی کی طرف نہ لوٹ سکے گا اور ہر کسی کو اپنے کئے کی سزا بھگتنی ہو گی---!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عملی پروگرام

(بانیٔ تحریک کا پیغام وابستگانِ تحریک کے نام)

میں ایک اہم نکتہ کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں- آپ میں سے جو حضرات کچھ عرصہ سے اس تحریک کے ساتھ وابستہ ہیں' وہ تو اس حقیقت کو سمجھ چکے ہیں لیکن نووارد احباب جو ایک خاص ولولہ لے کر شریک محفل ہوئے ہیں' انہیں اس نکتہ کے سمجھنے میں ذرا وقت لگتا ہے- جو کچھ میں' اس مقام پر کہنا چاہتا ہوں اس کا اولین مخاطب یہی طبقہ ہے- ان کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ہمارے سامنے کوئی عملی پروگرام نہیں' ہمارے ہاں ہنگامی تحریکوں اور سیاسی جماعتوں نے اس قسم کا تصور عام کر رکھا ہے کہ جس پروگرام میں ہنگامہ خیزیاں اور شور انگیزیاں نہ ہوں' وہ پروگرام عملی نہیں ہوتا- عملی پروگرام کے لئے' بگولوں کا سا رقص' اور طوفان کا سا جوش و خروش ضروری ہے- طلوع اسلام اپنی نوعیت کی پہلی اور منفرد تحریک ہے جس کا مقصد لوگوں کے قلب و نگاہ میں ایک بنیادی تبدیلی پیدا کرنا ہے- اس لئے کہ اس نے قرآن کریم کی تعلیم سے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ **اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ** (13/11)- جب تک کسی قوم میں نفسیاتی تبدیلی نہیں ہوتی اس کی حالت نہیں بدل سکتی- طلوعِ اسلام کا مقصد' قوم میں اس نفسیاتی تبدیلی کا پیدا کرنا ہے- اور یہ مقصد ہنگامہ آرائیوں سے حاصل نہیں ہو سکتا' خاموش لیکن استقامت آمیز تبلیغ سے ہو سکتا ہے- لاہور کا تو مجھے علم نہیں' لیکن کراچی میں' برسوں تک ایک عجیب منظر دکھائی دیتا رہا- شام کے وقت' شہر کی سب سے بارونق سڑک الفنسٹن سٹریٹ کے چوراہے پر' ایک کونے میں' ایک یورپین نوجوان خاموش کھڑا دکھائی دیتا- عمدہ سوٹ میں ملبوس' ایک تھیلا گلے میں لٹکائے' اور ہاتھ میں ایک پمفلٹ لئے' خاموش کھڑا ہے-- خاموش' پتھر کے بُت کی طرح خاموش' دو دو' تین تین گھنٹے ہر روز اسی طرح کھڑا رہتا- اگر کسی نے آگے بڑھ کر پمفلٹ مانگا تو اس نے زبان سے ایک لفظ کہے بغیر' ہاتھ والا پمفلٹ اسے دے دیا' اور ایک اور پمفلٹ نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا- میں نے اسے ہفتوں' مہینوں' برسوں اسی طرح دیکھا- اس قسم کے اور نوجوان بھی' شہر کے مختلف مقامات پر اسی طرح کھڑے ملتے- یہ ایک عیسائی' تبلیغی ادارہ کے مشنری تھے- لوگ ان کی اس "بے معنی" حرکت کا مذاق اڑاتے' لیکن جب ان کی رپورٹ شائع ہوتی' تو اس سے معلوم ہوتا کہ ان کی وہ خاموش تبلیغ کس قدر گہرا اور وسیع اثر کرتی جا رہی تھی- وہ دراصل اس طرح متجسس لوگوں کا رخ اپنے مرکزی ادارہ کی طرف موڑ دیتے تھے-

ہمارے سامنے بھی برادرانِ عزیز ! اسی قسم کا پروگرام ہے- ہمارا مقصد قرآنی تعلیم کی تبلیغ ہے- یعنی اس فکر کو خود سمجھنا اور سمجھنے کے بعد دوسروں تک پہنچانا---- لٹریچر کے ذریعے پہنچانا' اور معاملات میں اپنے حسنِ کردار کے ذریعے اس کی صداقت کا ثبوت بہم پہنچانا- اس پروگرام کا میدان اس قدر وسیع ہے کہ یہ ختم ہی نہیں ہو سکتا- لیکن قرآنی پروگرام اور ان خاموش مشنریوں کے پروگرام میں ایک بنیادی فرق ہے- وہ خاموش کھڑے رہ کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے تھے- یہ زندگی کا منفیانہ پہلو (Negative Aspect) ہے' اور عیسائیت کی خصوصی تعلیم- قرآن' مثبت پہلو (Positive Aspect) کو سامنے لاتا ہے اور اسی کو صحیح طریق قرار دیتا ہے- یہ وہ طریق ہے جو ملتِ اسلامیہ کے مؤسس حضرت ابراہیمؑ کو خدا کی طرف سے اس وقت ملا جب آپ نے' قوم کی حالت سے شدید طور پر متاثر ہو کر' بدرگاہِ رب العزت عرض کیا کہ **رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی** مجھے بتا کہ اس قسم کی بے حس اور مُردہ قوم کس طریق سے زندہ ہو گی؟ وہ طریق کیا تھا؟ یہ کہ **فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْکَ** یعنی وہی طریق جس سے وحشی پرندوں کو سدھایا جاتا ہے- ان پرندوں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ آپ کے سائے سے دُور بھاگتے ہیں- ذرا سی آہٹ ہوئی اور وہ جھٹ سے اُڑ گئے- ان پرندوں کو سدھانے کے لئے خاموش کھڑے رہنے سے کام نہیں چل سکتا- انہیں حسنِ سیرت سے اپنے ساتھ اس قدر مانوس کرنا پڑتا ہے کہ آپ انہیں کھلی فضا میں چھوڑ کر جہاں جی چاہے چلے جائیں- **ثُمَّ اُدْعُهُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا** ط (2/260)- آپ کی آواز پر وہ دوڑتے ہوئے آپ کی طرف آجائیں گے- یہ مثبت پروگرام ہے- لیکن اس میں ہنگامہ آرائی کا کوئی دخل نہیں- دخل تو ایک طرف اگر انہیں سدھانے کے دوران میں کہیں ذرا سی آہٹ ہو جائے' یا آپ سے کوئی خلافِ معمول اور غیر مانوس خفیف سی حرکت سرزد ہو جائے' تو وہ فوراً بدک جائیں گے- لہٰذا اس کے لئے نہایت صبر و سکون کے ساتھ' ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق چلتے جانا ہو گا- ظاہر ہے کہ اس کے لئے ندی کی سی روانی اور چٹان کی سی استقامت کی ضرورت ہو گی- یہی ہمارا پروگرام ہے اور اسی پر ہمیں کاربند رہنا ہے- اس تبلیغ کے ذرائع میں عندالضرورت' اور حسب اقتضائے وقت تبدیلی آتی رہے گی' لیکن کسی کی بے تابیٔ تمنا کا تقاضا کچھ ہی کیوں نہ ہو' ہمارے پروگرام میں ہنگامہ آرائی کا دخل کبھی نہیں ہو گا- جو احباب' اس پروگرام میں شریک ہونا چاہیں' انہیں اس بنیادی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہاں پروانے کی طرح جلنا ہے' مرغِ سحر کی طرح شور نہیں مچانا-

---

امریکہ میں مقیم ہمارے کرمفرما
یونس احمد سوراٹھیا

جن کے دم قدم سے دینی درسگاہوں اور لائبریریوں کو پرچے کی ترسیل جاری ہے- مد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد عمر دراز

تحریکِ حصولِ پاکستان، تحریکِ طلوعِ اسلام اور اِس کے بانی علّامہ غلام احمد پرویزؒ کا اجمالی تعارف

جو طلوع اسلام کی سالانہ کنونشن 1995ء، منعقدہ جناح ہال لاہور میں، مورخہ 20 اکتوبر 1995ء کو کھلے اجلاس میں پیش کیا گیا

1857ء کی ناکام جنگِ آزادی، کہ جسے انگریز نے بغاوت سے تعبیر کیا، ہندوستان کے مسلمانوں پر تباہی اور بربادی کے وہ اَن گِنت سامان لائی، جن کا تذکرہ آج بھی حسّاس دلوں پر لرزہ طاری کر دیتا ہے۔

اس سیلِ بے پناہ اور طوفانِ ہلاکت آفریں میں اسلامیانِ ہند میں سے ایک شخصیت صبر و استقامت اور حوصلوں اور جرأتوں کا پہاڑ بن کر سامنے آئی۔ یہ شخصیت اسلام کے بطلِ جلیل سرسید احمد خان علیہ الرحمہ کی تھی جو مصائب و آلام کے اس ہجوم بلا خیز میں بگولہ کی طرح اُٹھا اور ایک ایک کر کے انگریزوں اور ہندوؤں کی سازشوں کو بے نقاب کرتا چلا گیا۔

وہ تدبّر و فراست، بلند بینی اور دور اندیشی اور دلائل و براہین سے مسلح ہو کر اس میدانِ کارزار میں اُترا اور اپنی سرکاری ملازمت کی تمام مجبوریوں کو بالائے طاق رکھ کر حقائق کے چہرے سے ہر نقاب اُلٹنے لگا۔ اس نے پوری قوت سے انصاف پسند دنیا کو یوں خبردار کیا کہ:

"کوئی آفت ایسی برپا نہیں ہوئی، جس کے متعلق یہ نہ کہا گیا ہو کہ یہ مسلمانوں نے برپا کی، خواہ وہ رام دین اور ماتا دین ہی نے کی ہو۔ کوئی بلا آسمانوں سے نہیں آئی جس نے سب سے پہلے مسلمانوں کا گھر نہ تاکا ہو۔ کوئی کانٹوں والا درخت اس زمانے میں نہیں اُگا جس کی نسبت یہ نہ کہا گیا ہو کہ اسے مسلمانوں نے بویا اور کوئی آتشیں بگولہ نہیں اُٹھا جس کے بارے میں یہ نہ کہا گیا ہو کہ اسے مسلمانوں نے اٹھایا"۔

لائل محمڈنز آف انڈیا بحوالہ
پاکستان کا معمار اول ایڈیشن 1967ء ص 29

اُس زمانے میں اُن کی جو اپنی کیفیت تھی اس کا نقشہ انہوں نے اپنی ایک تقریر میں، جو انہوں نے 28 دسمبر 1889ء کو مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی ایک نشست میں کی، اِن الفاظ میں کھینچا تھا:

"میں اُس وقت ہرگز یہ نہیں سمجھتا تھا کہ قوم پھر پنپ سکے گی اور از سرِنو عزّت پانے کے قابل ہو جائے گی۔۔ آپ یقین کیجئے کہ اس غم نے مجھے بڈھا کر دیا اور میرے بال سفید ہو گئے"۔

(حیاتِ جاوید)
بحوالہ پاکستان کا معمار اول ایڈیشن 1967 ص 30

جنگِ آزادی کے دس سال بعد تک کے عرصہ میں' ہندوؤں سے معاملات میں وہ جس نتیجہ پر پہنچے' اس کا اظہار انہوں نے 1867ء میں ان الفاظ میں کیا :

"میرا یقین ہے کہ یہ دونوں قومیں اب کسی کام میں بھی دل سے شریک نہ ہو سکیں گی۔ جوں جوں وقت گذرتا جائے گا' یہ مخالفت اور عناد' ان ہندوؤں کے سبب اُبھرے گا جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں۔ جو زندہ رہے گا وہ دیکھ لے گا۔"

(پاکستان کا معمار اول ایڈیشن 1967ء ص 177)

اور یہ تھا بیولٰی پاکستان کا وہ پہلا تصوّر جو منظرِ عام پر آتا ہے۔ اس کے بعد ان کی تمام تر جدّوجہد اپنی قوم کو اس عظیم مقصد کے لئے تیار کرنے پر مرکوز رہیں۔ اور تمام تر مساعی انہیں جدید زیورِ تعلیم سے آراستہ کر کے' سیاست کے میدان میں کامیاب جنگ لڑنے کے لئے تیار کرنے میں صرف ہوئیں۔

اپنی قوم کو جدید تعلیم سے آراستہ کرنے اور انہیں دین کے راستے پر چلانے کا جو تعلیمی ہدف انہوں نے اپنے سامنے رکھا اس کی ایک جھلک ان کے اس خطاب سے ملتی ہے جو انہوں نے دارالعلوم علی گڑھ کے طلبا سے کیا۔ انہوں نے کہا کہ:

"یاد رکھو سب سے سچّا کلمہ' لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ اسی پر یقین رکھنے کی بدولت' ہماری قوم' ہماری قوم ہے۔ اگر تم نے سب کچھ کیا اور اس پر یقین نہ کیا تو تم ہماری قوم نہ رہے۔ پھر اگر تم آسمان کے ستارے بھی ہو گئے تو کیا؟ مجھے امید ہے تم علم اور اسلام' دونوں باتوں کے نمونے ہو گے' اور جبھی ہماری قوم کو حقیقی عزت نصیب ہو گی۔"

(پاکستان کا معمار اول ایڈیشن 1967ء ص 129)

وہ کہا کرتے تھے کہ:

"میں جب رات کو آسمان کی طرف دیکھتا ہوں تو اس کے اس حصے کی جو نیلا نیلا' سیاہ اور ڈراؤنا سا دکھائی دیتا ہے' کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا۔ بلکہ ان ستاروں کو دیکھنا چاہتا ہوں جو اس میں چمکتے ہیں اور معشوقانہ انداز کی اس کشش سے ہمیں اپنی طرف کھینچتے ہیں۔"

(پاکستان کا معمار اول ایڈیشن 1967ء ص 42-41)

اور پھر اپنے ساتھیوں سے سوال کرتے کہ:

"کیا تم اپنی قوم میں اس قسم کے لوگ پیدا کئے بغیر' جو ستاروں کی طرح چمکتے ہوں' اپنی قوم کو معزّز اور دوسری قوموں کی نگاہ میں باعزت بنا سکتے ہو۔"

(پاکستان کا معمار اول ایڈیشن 1967ء ص 42)

یہ تھا پاکستان کا معمار اول۔

آج ہماری ملی تاریخ کا یہ فیصلہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ کا وہ اوّلین نقیب تھا۔

کون نہیں جانتا کہ حصولِ پاکستان اور اس کے بعد پاکستان کے اوّلین دور میں اس کے استحکام کے لئے اُن سرفروشوں کی مساعی کا کتنا ہاتھ ہے جو علی گڑھ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہوئے تھے اور جنہیں علیگ کہا جاتا تھا۔

سر سیّد احمد خاں علیہ الرحمہ کی انہی مساعیٔ جمیلہ کا تسلسل ہمیں علامہ اقبالؒ کے ہاں ملتا ہے۔ جو بالآخر ان کی زبان سے' ان کے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس 1930 منعقدہ الٰہ آباد میں مسلمانوں کے لئے منزل کی نشاندہی کے طور پر یوں ادا ہوا۔

"میری آرزو یہ ہے کہ پنجاب' صوبہ سرحد' سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک واحد ریاست

قائم کی جائے۔ (ہندوستان کو) حکومتِ خود اختیاری، زیرِ سایۂ برطانیہ ملے یا اس سے باہر، کچھ بھی ہو، مجھے تو یہی نظر آتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان میں ایک متحدہ اسلامی ریاست کا قیام، کم از کم، اس علاقہ کے مسلمانوں کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے"۔

(تحریکِ پاکستان اور پرویزؒ ایڈیشن 1989ء ص 228)

1930ء میں یہ بات کہنا حاضرینِ گرامی ! ایک مردِ مومن ہی کی فراست ہو سکتا ہے۔

جب مسلمانوں کی سیاسی جدّوجہد نے ایک متعیّن رُخ اختیار کر لیا تو حضرتِ علامہؒ نے ہی ان کی اس ملّی جنگ کی قیادت کے لئے قائدِاعظم محمد علی جناحؒ جیسے دیدہ ور کا انتخاب کیا۔ حضرت علامہؒ کا، ملّتِ اسلامیہ ہندیہ پر یہ وہ احسانِ عظیم ہے جس نے ان کی ملّی جدّوجہد میں کامیابی اور کامرانی کو یقینی بنا دیا۔

حضرت قائدِاعظمؒ نے قوم کی اس رزمِ موت و حیات میں جس مشاقی اور حُسنِ تدبّر سے رہبری کی اور جس جانفشانی سے (جس میں ان کا خُونِ جگر بھی شامل ہے) چومکھی لڑائی لڑی، اس کے نتیجہ میں قوم کا سفینۂ حیات ایک حسین بط کی طرح تیرتا ہوا ساحلِ مراد پر آلگا۔

14 اگست 1947 کی صبح ہماری حیاتِ ملّی کی وہ درخشندہ صبح ہے کہ اُس دن جب آفتابِ جہاں تاب نے اپنی چشمِ خوابیدہ وا کی تو اس نے دنیا کے نقشہ پر ایک ایسی نئی مملکت کو اُبھرتے دیکھا جس کی بنیادیں ان حسین دعاوی کے ساتھ رکھی جا رہی تھیں کہ اس میں صرف اور صرف اللہ کی حاکمیت قائم ہو گی۔

حضرت قائدِاعظمؒ نے جب حصولِ پاکستان کی اس ملّی جنگ کی ابتدا کی تو خلافِ توقع انہیں ایک ایسے محاذ پر بھی شدید مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا جو ان کا اپنا دائرہ عمل نہ تھا۔ یہ محاذ تھا نیشنلسٹ مسلمانوں کا، جو ہندو کانگریس کی وظیفہ خوری اور نمک حلالی میں قال اللہ اور قال الرسول کے حسین نقاب اوڑھے، ایک ایسی مملکت کے حصول کی کوششوں کی مخالفت میں اُٹھے جس میں اللہ ذوالجلال کا ہی تختِ اجلال بچھایا جانا تھا۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے یہ محاذ حضرت قائدِاعظمؒ کے اپنے دوائرِ عمل سے باہر تھا، چنانچہ انہوں نے حضرت علّامہ اقبالؒ کے ایماء پر اس کی ذمّہ داری اُس وقت کے چوہدری غلام احمد پرویزؒ کے سپرد کی۔ اس مقصد کے لئے ماہنامہ طلوعِ اسلام دوبارہ، اپنے نئے دور میں 1938ء میں، دہلی سے شروع کیا گیا۔

مفکّرِ قرآن علّامہ غلام احمد پرویزؒ نے جس طرح اِس محاذ کو سنبھالا اور جس طرح اپنے قائدؒ کو انگریز اور ہندو سے نپٹنے کے لئے فرصت مہیا کی، اس پر اُس زمانے کے طلوعِ اسلام کے فائل شاہد ہیں۔ ضمناً یہ عرض کر دوں کہ اُس زمانے کی پرویزؒ صاحب کی ان تمام مساعی کی داستان اب طلوعِ اسلام ٹرسٹ کی جانب سے "تحریکِ پاکستان اور پرویزؒ" کے نام سے شائع ہونے والی کتاب میں یکجا کر دی گئی ہیں۔

تحریکِ حصولِ پاکستان کے دوران، علّامہ غلام احمد پرویزؒ اس تحریک کی دینی اساس پر حضرت قائدِاعظم کے ذاتی مشیر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اس کا اعتراف حکومتِ پنجاب کی طرف سے شائع کردہ کتاب "تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل 1989ء میں کیا چکا ہے۔ اسی سال حکومتِ پنجاب ہی کی طرف سے انہیں تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل بھی (بعد از

وفات) پیش کیا گیا۔

علامہ غلام احمد پرویزؒ کو اپنے قافلہ سالار حضرت قائدِاعظمؒ کا کس درجہ کا اعتماد حاصل تھا اس کا اظہار و اعتراف حضرت قائدِاعظمؒ کے اس خط سے ہوتا ہے جو انہوں نے 19رجون 1947ء کو پرویزؒ صاحب کے نام، تقسیم ہند کے اعلان پر پرویزؒ صاحب کی طرف سے مبارکباد کے خط کے جواب میں لکھا تھا۔ حضرت قائداعظمؒ کے الفاظ یوں ہیں۔

Dear Mr. Parwez

Thank you for you letter of 13th June. Will you please send me the names of those who, you think will be the real servants of our future Secretariat.

ترجمہ یوں ہے۔

ڈیئر مسٹر پرویز آپ کے خط مرقومہ 13 جون کا شکریہ۔ براہِ کرم مجھے اُن لوگوں کے نام مہیا کریں جو آپ کی نظر میں ہماری مستقبل کی سیکریٹریٹ کے حقیقی خادم ہو سکتے ہیں۔

پاکستان معرض وجود میں آگیا تو وہ تمام علماءؒ بشمول مودودی صاحب مرحومؒ جنہوں نے پاکستان کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا، یک جست پاکستان آگئے۔ انہیں قیامِ پاکستان کی شکل میں اپنے موقف میں ہزیمت اٹھانا پڑی تھی۔ قوم نے انہیں ردّ کر دیا تھا اور اِن سب کے مقابلہ میں حضرت قائدِاعظمؒ کو اپنا لیڈر-مان کر ان کا ساتھ دیا تھا۔ چونکہ ان کی مخالفت کے سدِّ باب کے محاذ کی سربراہی علّامہ غلام احمد پرویزؒ کے ذمّہ تھی، اس لئے اِن مذہبی سیاست دانوں نے انہیں کبھی معاف نہیں کیا اور ان پر طرح طرح کے اتہامات اور بے بنیاد الزامات چپکاتے رہے۔ بہرحال یہ ایک الگ داستان ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد پرویزؒ صاحب نے اپنے ذمّہ یہ فریضہ لیا کہ اُس قرآنی نظام کے خدّوخال، قوم کے سامنے تفاصیل کے ساتھ پیش کریں، جس کے قیام کے لئے پاکستان بنایا گیا تھا۔ اور جس کے لئے تحریکِ حصولِ پاکستان کے دوران وقت نہ مل سکا تھا۔ چنانچہ 1948ء میں کراچی سے ماہنامہ طلوع اسلام کا پاکستانی دور شروع ہوا۔

پرویزؒ صاحب کی یہ کاوشیں ان کی ہزارہا صفحات پر پھیلی تحریروں، ان گنت خطابات، اور تین درجن سے زائد تصنیفات کی شکل میں آج بھی متلاشیانِ حقیقت کے لئے سامانِ تسکین و رہنمائی بہم پہنچاتی ہیں۔ ان میں لغات القرآن، تبویب القرآن اور علّامہ اقبالؒ کی ہدایت پر سلسلۂ معارف القرآن کی آٹھ جلدوں کی تصنیف ان کا وہ عظیم ترکارنامہ ہے، جو انشاء اللہ صدیوں تک زندہ رہیں گی۔ اس کے علاوہ پورے قرآن کریم پر محیط ان کا آڈیو کیسٹ پر محفوظ درس اور سورہ الدخان سے سورۃ تطفیف تک وڈیو پر یہی درس، سامعین کو قرآنی حقائق سے رُوشناس کرنے کا ایک بے مثل ذخیرہ ہے۔

ہندوستان کی طرح، یہاں بھی ان کے خلاف مذہبی رہنماؤں نے مخالفتوں کے طوفان کھڑے کئے جو دراصل قیام پاکستان کی وجہ سے ان کی شکست پندار ہی کے انتقام کی شکلیں تھیں۔ لیکن وہ این و آں سے مستغنی ہو کر، اپنی زندگی کے آخری سانس تک رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے تتبع میں بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔

تآنکہ 24رفروری 1985ء کی شام وہ اپنے سفرِ آخرت پر روانہ ہو گئے۔ ہمارا آج کا اجتماع بھی ان کی انہی کوششوں کا تسلسل ہے کہ طلوع اسلام کا

مقصدِ حیات ہی یہ ہے کہ یہ قوم کو اُس زندگی بخش ضابطہ القرآن العظیم کی طرف بلاتا رہے جسے اللہ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے انسانیت کو دیا اور اس کی خالص اور منزہ تعلیم کو قوم کے سامنے تسلسل و تواتر سے پیش کر کے اُس قرآنی نظامِ ربوبیت کے قیام کے لئے راہیں ہموار کرے جو ربّ ذوالمنن کے ارشاد کے مطابق آخر الامر انسانیت نے اپنانا ہے۔

یہ ہے حاضرینِ گرامی، تحریک حصولِ پاکستان، تحریکِ طلوع اسلام اور اس کے بانی علّامہ غلام احمد پرویز مرحوم کا ایک اجمالی سا تعارف۔

ڈاکٹر عبدالودود

ایک خط -- ایک شکوہ

مدیر محترم ماہنامہ طلوع اسلام۔ السلام علیکم۔ آپ کے اگست 95ء کے شمارہ میں میرا مضمون "موت کا دن معین ہے" شائع ہوا تھا۔ میں نے اس مضمون میں صرف چند واقعات بیان کئے تھے۔ دلائل پیش نہیں کئے تھے، اور قارئین کرام کو دعوت دی تھی کہ اس مسئلہ پر اظہار خیال فرمائیں۔ میں آخر میں علت و معلول کے مسئلہ پر سائنس کے نقطہ نظر سے ایک مفصل بیان پیش کرنا چاہتا تھا جو قرآنی نقطہ نظر سے بھی قابل قبول ہے، لیکن آپ نے اس بحث کو بند کر دیا۔ مباحث سے ذہنی کشاد پیدا ہوتی ہے۔ بہرحال آپ نے جو فیصلہ کیا ہے، ٹھیک ہے۔ پنجابی زبان کی مثل ہے۔

زور آوراں دا ستیں وہیں سو۔

محترم ڈاکٹر صلاح الدین صاحب نے ماہ نومبر کے شمارہ میں اپنے مخصوص دلچسپ انداز میں حالات حاضرہ پر تبصرہ فرمایا ہے۔ وزراء کے اللے تللے تو ایک طرف اب تو ہر طرف مسائل ہی مسائل نظر آتے ہیں۔ اخبارات میں جو کچھ پڑھنے اور دیکھنے کو ملتا ہے وہ ڈاکٹر صاحب نے عمدگی سے پیش کر دیا ہے۔ اب تو روزانہ صبح اخبار پر 6 سے 10 روپے خرچنا بھی ایک بہت بڑا بوجھ بن گیا ہے۔ بہرحال انسان چاہتا ہے کہ دنیا کے حالات حاضرہ سے باخبر رہے اس لئے اخبار والوں کی ٹھگی بھی برداشت کرنی پڑتی ہے۔

اتفاقاً ایک دیرینہ واقع یاد آگیا۔ صدر ایوب مرحوم کا زمانہ تھا۔ صدر صاحب نے مودودی صاحب کو قید کر دیا۔ صدر صاحب کی خدمت میں ایک خط میں نے لکھا جس میں کہا کہ جناب صدر! مودودی صاحب کو قید کرنا تو مسائل کا حل نہیں۔ آپ خود کیوں نہیں پاکستان میں اسلامی نظام قائم کر دیتے؟ صدر مرحوم کا جواب آیا کہ اسلامی نظام کا جو نقشہ تمہارے ذہن میں ہے وہ بیان کرو اور سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ رشوت ستانی کا کیا حل ہے؟ میں نے محترم پرویز مرحوم سے مشورہ کے بعد جواب میں لکھا کہ اس مرض کا علاج پہلے سرکاری ملازمین سے شروع کیا جائے۔ حکومت ایک طرف ان کی تمام ضروریات زندگی روٹی، کپڑا، مکان، علاج اور بچوں کی تعلیم کا ذمہ لے۔ اور دوسری طرف

Immovable Private Property ذاتی جائیداد کا حصول قطعاً بند کر دے۔ رشوت ستانی کے مرض کا یہی شافی علاج ہے۔ اس کے بعد جناب صدر کا کوئی خط موصول نہ ہوا۔

—•—

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صفدر سلیمیؒ

قائدِ اعظمؒ

(تحریکِ پاکستان کے پس منظر میں)

(ترکشِ مارا خدنگ آخریں)

حیاتِ قائد کے سلسلہ میں طلوعِ اسلام کے صفحات میں جو کچھ اب تک لکھا جا چکا ہے، اس سے قائدِ اعظمؒ کے وہ کارہائے نمایاں سامنے آچکے ہیں، جو انہوں نے 1930ء تک مسلسل پچیس برس برطانوی امپریلزم کے خلاف، ملک کی تحریکِ آزادی کے کارزار میں سرانجام دیئے۔ ازاں بعد ان کے تاریخی اعلانات و بیانات کی روشنی میں ملّتِ اسلامیہ کی آرزوؤں اور امنگوں کا وہ منتہاء و مقصود بھی منظرِ اشاعت پر آچکا ہے جو تحریکِ پاکستان کی شکل میں، اس ملک کی تاریخ میں انقلابِ عظیم کا حرفِ آغاز ثابت ہوا۔ قومی زندگی کی ان حسین امنگوں نے چند ہی سالوں میں ہماری ملّت کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو ایک سیسہ پلائی دیوار کی صورت عطا کر دی۔ انہی آرزوؤں کے جذبِ دروں کی قوت سے ہم مشکلات و موانعات کے پہاڑوں کو زیر و زبر کرنے کے قابل ہو گئے۔ اسی لیلائے مقصود کی چشمکِ ناز نے ہمارے اجتماعی شعور کو حیاتِ تازہ کی تڑپ اور خلش سے مالا مال کیا۔ جذب و مستی کے یہی والہانہ عزائم ارضِ پاکستان کے حصول پر منتج ہوئے۔ نشاۃِ ثانیہ کے یہی بے تاب ولولے تھے جنہوں نے آخر ایک دن ہمیں آزاد قوموں کی صف میں لاکھڑا کیا۔ یہ درست ہے کہ ہماری قومی زندگی کی یہ حسین ترین امنگیں ابھی بہ تمام و کمال حاصلِ مراد کو نہیں پہنچیں۔ لاریب کہ ارضِ پاک میں ابھی قرآنی نظام کی وہ بساط نہیں بچھی جس کی خوش گواریاں جنّتِ ارضی کا سماں باندھتی ہیں۔ بے شک ابھی اس صبحِ بہار نے یہاں اپنے چہرے سے نقاب نہیں اُلٹا، جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ملّت سالہا سال سے وقفِ انتظار چلی آرہی ہے۔ یہ سب کچھ بجا اور درست، لیکن ساتھ ہی اس حقیقت کو نہ بھولئے کہ ان حسرتوں اور ارمانوں کا تعلّق اب قائدِ اعظمؒ کی ذاتِ گرامی سے نہیں، بلکہ یہ سب کچھ ملّت کی ذمّہ داریوں اور فرض شناسیوں سے وابستہ ہے اور ہم یہاں ملّت کی ذمّہ داریوں کا تذکرہ نہیں چھیڑ رہے بلکہ ملّت کے قائدِ اعظمؒ کی سیاسی تگ و تاز کی داستانِ جمیل بیان کر رہے ہیں۔ اس لئے اب ہمیں اس وضاحت سے آگے بڑھ کر براہِ راست اس مقام پر آجانا چاہئے جہاں سے اس انقلاب انگیز اور محشر خیز تگ و تاز نے تحریکِ استخلاصِ ہند سے تحریکِ استقلالِ پاکستان کا رُخ اختیار کیا۔ ہمارا یہ موضوع قائدِ اعظمؒ کی زندگی کے اس دور کی تفصیل

پیش کرتا ہے' جب وہ 1935ء میں انگلستان سے ایک نئے پیش نہاد کا عزم لے کر واپس لوٹے اور ان کی سیاسی جدّوجہد کا ہر گوشہ تنظیمِ ملّت کے تقاضوں پر مرکوز ہو گیا اور مارچ 1940ء تک جب کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے لاہور سیشن میں قراردادِ پاکستان پہلی بار دنیا کے سامنے آئی' وہ اپنے کاروانِ ملّت کو برابر ایک زندہ قوم کی صلاحیتوں سے بہرہ ور کرتے چلے گئے۔

زندگی کا عبوری دور :- قائدِاعظمؒ ایسے عظیم اور مسلّمہ سیاست دان کا' جو 1905ء سے 1930ء تک مسلسل اور پیہم پورے ہندوستان کی آزادی کے لئے صف اول میں سرگرم پیکار رہا اور پچیس سال کی اس طویل مدت میں' ہندو مسلم اتحاد کے کم و بیش تمام تاریخی اجتماعات میں اس کی اہمیت شمع محفل کی طرح واضح رہی' تحریکِ پاکستان کی نئی اور قطعی طور پر مختلف منزل کا رُخ اختیار کرنا' متحدہ ہندوستان کی تاریخ سیاسیات کا ایک اہم واقعہ ہے۔لیکن اس واقعہ کا پس منظر شہادت دے گا کہ اس قدر عظیم قائد کی زندگی کا یہ اہم ترین موڑ نہ تو بچّوں کا سا کوئی کھیل تھا اور نہ ہی جذباتی ترنگ کی کوئی ہنگامی روش۔ ہندو کانگریس کا مہاسبھائی ذہن ملکی آزادی کی جان توڑ کوششوں کو "گنگا کے دہانے میں" جس طرح ڈبوئے چلا جا رہا تھا' اٹل حقائق اور تلخ تجربات کی روشنی میں اسکا انجام اس کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا تھا جو قائدِاعظمؒ کی سیاسی زندگی کے اس انقلاب کی صورت میں سامنے آیا اور حالات نے ثابت کر دیا کہ قائدِاعظمؒ کا یہ نیا موڑ' پوری ملّت کی اجتماعی جدّوجہد کا موڑ قرار پا گیا۔

1930ء سے 1935ء تک قائدِاعظمؒ کی عمل برانداز زندگی ملکی سیاسیات سے دامن کشاں نظر آتی ہے۔ یہ دور ان کی زندگی کا "عبوری دور" ہے۔ صفِ اوّل کے اس عظیم قافلہ سالار کو ہم اس مدّت میں ہر میدان سے غائب پاتے ہیں اور اگر اس کا کہیں سراغ ملتا ہے تو لنڈن کے ایک پرسکون گوشے میں جہاں مایوسیوں کی تاریکیوں میں وہ اس روشنی کا متلاشی ہے جو زندگی کی حقیقی منزل کی نشان دہی کر سکے۔ ہم قائدِاعظمؒ کی اپنی زبانی ان کی اس کیفیت کا نقشہ پیش کر چکے ہیں۔ اور ضمناً یہ بھی بتا چکے ہیں کہ روشنی کی یہ کرن بالآخر جلوہ بار ہوئی اور انہوں نے اس منزل کو پا لیا جو دس کروڑ مسلمانوں کے عروج و اقبال' ان کی آزادی و استقلال اور نشأۃِ ثانیہ کی امین ثابت ہوئی۔ اور اس نے نہ صرف "ہندو راج" کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا بلکہ اس برِصغیر کی پوری تاریخ کو بدل کر رکھ دیا۔

1930ء میں وہ مایوسی اور شکست کے اس مقام پر کھڑے تھے جہاں نہ کوئی منزل سامنے تھی اور نہ نشانِ منزل۔ ان کی زندگی سربسر ایک طلسمِ پیچ و تاب بن رہی تھی کہ ایک جہاں تاب روشنی نے نئی منزل کو ان کی نگاہوں کے سامنے واشگاف کر دیا۔

تنظیمِ ملّت کا نیا مرحلہ :- 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کا اعلان اور اس کے تحت صوبجاتی خود مختاری (Provincial Autonomy) کا نفاذ حکومتِ برطانیہ کا وہ نیا اقدام تھا جس کے تقاضے قائدِاعظمؒ کو کشاں کشاں لنڈن سے واپس لے آئے۔ ان کی عقابی نگاہیں' ان آئینی اصلاحات کے نتائج و عواقب کو' اپنی نگاہوں کے سامنے صاف اور واشگاف

طور پر دیکھ رہی تھیں۔ انہیں واضح طور پر نظر آرہا تھا کہ اپنے منظم و سائل کے زور پر کانگریس کیا کچھ کر گذرے گی اور صوبائی حکومتوں پر مسلّط ہو جانے کے بعد وہ ملّتِ اسلامیہ کے مستقبل کو کن خطرات سے دو چار کر دے گی۔

انگلستان سے واپس پہنچتے ہی وہ خطرے کا بگل بجا دیتے ہیں اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے نو کروڑ مسلمانوں کو منظم ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ اس دعوت کو لبیک کہتے ہوئے مسلمان ابھی قومی تنظیم کے ابتدائی مرحلے طے کر رہے تھے کہ اواخر 1936ء میں صوبائی انتخابات کا کٹھن مرحلہ سامنے آگیا، جس کے نتیجہ میں کانگریس سات ہندو اکثریت کے صوبوں پر مسلط ہو گئی اور 1937ء کا آغاز ان صوبوں کے مسلمانوں کے لئے ہیجان و اضطراب اور خطرات کے طوفان لئے نمودار ہوا۔

تحریکِ پاکستان کا پس منظر :- 1937ء سے اسلامیانِ ہند کی قومی بیداری کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ یہی تھا سیاساتِ ہند کا وہ نازک مرحلہ جہاں سے قائداعظمؒ کی جولانیاں ایک انقلابِ نو کا عَلَم لئے آگے بڑھتی ہیں۔ کل کا "پیامبرِ اتحاد" اب صرف اپنی ملّت کا "قائداعظمؒ" بن کر ملّت کے سفینۂ حیات کی ناخدائی کے لئے میدان میں نمودار ہوتا ہے۔ بیک وقت دو محاذ اس کے سامنے آتے ہیں۔ایک طرف برٹش امپیریلزم کی پُرجلال قوت اور دوسری جانب وہ منظم اور برسرِ اقتدار کانگریس، جس کی پشت پر ٹاٹا اور برلا کے خزانے تھے۔ وہ دونوں قوتوں کے چیلنج کو مردانہ وار قبول کرتا ہے اور چومکھی جنگ لڑتا ہوا دونوں کے بالمقابل دیوانہ وار ڈٹ جاتا ہے۔

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُوباہی

قائداعظمؒ اپنی ملّت کی پاسبانی کے لئے آگے بڑھتے ہیں---- یہ ملّت مدّت سے ریت کے ذرّوں کی طرح پریشان، تند و تیز جھونکوں کی زد میں چلی آرہی تھی لیکن اب وہ از سرِنو ایک پیکرِ کوہ کی صورت میں ڈھلنے کے لئے بے تاب تھی۔ اس نازک مرحلے پر انہیں محمد علی جناحؒ جیسے قائدِ جلیل کی قیادت نصیب ہوئی۔ اور یہ حقیقت نکھر کر منظرِ عام پر آگئی اور وہ پوری کامیابی سے دشمنوں کے حملوں کو پسپا کرتے اور اس کی سیاسی مہمّازیوں کو مات دیتے ملّت کو لے کر بحفاظتِ تمام فتح و ظفر کی منزلِ مقصود تک پہنچ گئے۔

اشاعتِ زیرِ نظر میں ہم اس سیاسی آویزش کے سلسلۂ دراز میں سے قائداعظمؒ کے مارچ 1940ء تک کے کارناموں کی داستان پیش کر رہے ہیں۔ کیونکہ مارچ 1940ء میں قرار دادِ پاکستان ایک واضح نشانِ منزل بن کر سامنے آگئی تھی اور اس مقام سے ایک نئے باب کا آغاز ہوا تھا۔ یہ اہم باب آئندہ اشاعت میں "تحریکِ پاکستان" کے عنوان سے سامنے لایا جائے گا۔ مارچ 1940ء تک کے واقعات پر مشتمل زیرِ نظر اشاعت تنظیمِ ملّت کے ابتدائی دور کا نقشہ بھی پیش کرے گی اور تحریکِ پاکستان کا پس منظر بھی۔

سات صوبوں کی وزارتوں پر اپنا تسلّط قائم کرتے ہی کانگریس نشۂ پندار کی بدمستی میں کھو گئی اور اس کے ناقوسِ خصوصی پنڈت جواہر لال نہرو نے اسی نشے میں اعلان کیا کہ ہندوستان میں دو ہی طاقتیں ہیں، انگریز اور کانگریس۔ پنڈت جی کا یہ اعلان واضح طور پر مسلم لیگ اور مسلمانوں کی اُبھرتی ہوئی قوت

تنظیم کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا اور یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ قائداعظمؒ جیسا بے باک اور عظیم مدبّر اس چیلنج کو خاموشی سے گوارا کر لیتا۔ کانگریس کے لامحدود وسائل، بے پناہ قوتِ تنظیم اور بالخصوص سات صوبوں کی وزارتوں پر اس کا قبضہ، ان سب کے مقابلے میں قائداعظمؒ اور اس کے کاروانِ شوق کی بے سروسامانی۔ لیکن

وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

ملّتِ اسلامیہ کی غیرت کا امین مردانہ وار آگے بڑھا اور ملک کی سیاسی فضا میں اس کی یہ لرزہ فگن گرج سنائی دی۔

یہاں ایک تیسری طاقت بھی موجود ہے اور وہ ہے نو کروڑ مسلمانوں کی طاقت۔ اسے نہ انگریز نظر انداز کر سکتا ہے اور نہ کانگریس۔

اور اس کے تھوڑی ہی مدّت بعد آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس، منعقدہ لکھنؤ 1937ء میں واقعی دنیا نے اس تیسری طاقت کے جاہ و جلال کے محسوس و مشہود پیکروں میں جلوہ نما دیکھ لیا۔ لکھنؤ کا یہ بے مثال قومی اجتماع، سیاسیاتِ ہند میں ایک نئی صبح کا عنوان تھا۔ پنجاب، بنگال اور آسام کے وزرائے اعظم اس قومی دربار میں مسلم لیگ سے عہدِ وفا اُستوار کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ اور یہ واضح ہو گیا کہ اسلامی ہند کی وہ تمام قوتیں، جو صدیوں سے زوال اور شکست سے دوچار چلی آ رہی تھیں، اب ایک بے مثال اجتماعی شعور سے مالا مال ہو کر حیاتِ تازہ کی باز آفرینیوں کے لئے پَر تول رہی ہیں۔

مجاہدانہ للکار :- ملّتِ اسلامیہ کا یہی وہ تاریخی اجتماع تھا جس میں ملّتِ اسلامیہ نے پہلی بار انگریز اور کانگریس کے مقابلہ میں اپنے قومی تحفظ کے بلند بانگ ارادوں کا اعلان کیا۔ اس اجلاس میں قائداعظمؒ کا خطبۂ صدارت تاریخی اہمیت کا حامل تھا۔ چنانچہ ان کی مجاہدانہ للکار بانگ رحیل بن کر گونجی اور کانگرسی وزارتوں کے گھناؤنے کردار سے نقاب اُلٹتے ہوئے انہوں نے اعلان کیا کہ:

"کانگریس نے اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کے لئے ہے۔ اس نے نام نہاد نیشنلزم کا سوانگ بھر رکھا ہے۔ اور میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ کانگریس پارٹی کی موجودہ پالیسی، جماعتی عناد اور فرقہ وارانہ مناقشت پیدا کر کے ملوکانہ تسلّط کے استبقاء کا باعث ہو گی۔" (خطبۂ صدارت اجلاس لکھنؤ۔ از قائداعظمؒ)

اور اس کے بعد ملّت کے سامنے اس کی منزل کی نشان دہی کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

"مسلمان اگر اپنی کھوئی ہوئی قوتوں کو از سرِنو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت صرف ایک ہی چیز انہیں یہ سہارا مہیّا کر سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے کھوئے ہوئے یقین کو دوبارہ حاصل کریں اور اسی محکم اور بلند تصوّر کا سہارا لے کر اُٹھیں جو ان کی عالمگیر قومی وحدت کا جزوِ لاینفک ہے اور جو ان کو ایک سیاسی وحدت میں منسلک کرنے کا باعث ثابت ہو گا۔ مسلمانوں کے خلاف اغیار کی فرقہ پرستی اور رجعت پسندی کے طنزیہ نعرے سن کر آپ کو گھبرانا نہیں چاہئے۔ دنیا کا بدترین رجعت پسند اور شریر ترین فرقہ پرست جب کانگریس کے سامنے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال کر اپنی قوم کو گالیاں دیتا ہے تو اگلے روز وہی سب سے بڑا نیشنلسٹ قرار پا جاتا

ہے"۔ (ایضاً)

فروری 1938ء میں انہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"کانگریس نے ہمارے نوجوانوں کے دل و دماغ کو زہر آلود کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور انہیں ایسے سبز باغ دکھائے ہیں کہ وہ یہ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ کانگریس واقعی آزادیٔ کامل کی علمبردار ہے، لیکن درحقیقت کانگریس کا مقصد کیا ہے؟ وہ حکومتِ برطانیہ سے بعض عہد و پیمان حاصل کرنا چاہتے تھے اور جب اس میں ناکامی ہوئی تو اب وہ اسی دستور سے نہ صرف مستفید ہو رہے ہیں، بلکہ اس پر پوری طرح عمل پیرا ہیں، جسے تباہ کرنے کا بڑے شد و مد سے دعویٰ کیا تھا:"

انہوں نے اس خطاب میں مزید یہ واضح کیا کہ:

"مسلم لیگ نے بڑی حد تک مسلمانوں کو برطانوی سامراج کے پنجہ سے نجات دلا دی ہے لیکن اب ایک نئی طاقت سامنے آئی ہے جس کا دعویٰ ہے کہ وہ حکومتِ برطانیہ کی جانشین ہے۔ آپ اسے جس نام سے چاہیں پکار لیں، لیکن وہ اصل میں صرف ہندو اور ہندو راج ہے"۔

اب ملکی سیاسیات ایک نئے مرحلے میں داخل ہو چکی تھیں۔ کانگریس صوبائی اقتدار کے نشے میں مہاسبھائی ذہن کی کرشمہ سازیوں کو بروئے کار لا رہی تھی اور دوسری طرف ان مظالم نے اسلامیانِ ہند کے سیاسی شعور اور احساسِ خودی کو اُبھارا اور وہ فوج در فوج مسلم لیگ کے پرچم تلے منظم ہونے شروع ہو گئے۔ کانگرسی اقتدار ملّت کے لئے خطرے کا بگل ثابت ہوا۔ ع

تو نے وہ ٹھوکر لگائی، چشم کھُل گئی

دوسری عالمگیر جنگ :- عین اس وقت جب کہ ملکی سیاسیات میں مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا، 3 ستمبر 1939ء کو دوسری عالمگیر جنگ کے شعلے یک بیک بھڑک اُٹھے۔ برطانوی سامراج کے سامنے موت و حیات کی کش مکش کا ایک کڑا اور نازک ترین مرحلہ نمودار ہوا اور اُس نے ضروری سمجھا کہ اس خطرناک آزمائش میں ملک کے ممتاز رہنماؤں سے مذاکرات کا سلسلہ قائم کر کے ہندوستان کی رائے عامہ کو ہم نوا بنایا جائے۔

گاندھی جی کے ساتھ وائسرائے بہادر نے قائدِاعظمؒ کو بھی ملاقات کی دعوت دی۔ اس مذاکرہ کے بعد قائدِاعظمؒ نے مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ کا اجلاس طلب کیا اور 17-18 ستمبر کے اجلاس میں جو اہم قرار داد منظور کی اس میں یہ واضح کیا گیا کہ:

نشانِ منزل :- 4- مجلس عاملہ اس بات کو واضح کرنا چاہتی ہے کہ مسلمانانِ ہند، ہندوستان کی سیاست میں ایک خاص اور نرالی حیثیت رکھتے ہیں اور بیسیوں برس سے وہ اس جدّوجہد میں مصروف ہیں کہ ملک کی قومی زندگی، حکومت اور انتظامی امور میں ان کو عزّت اور وقار کا مقام حاصل ہو۔ تاکہ مسلمان اپنے سیاسی، اقتصادی، کلچرل اور جماعتی حقوق و مفاد کے تحفظ کی ضمانت کے ساتھ اکثریت کے دوش بدوش مساوی طور پر سرگرمِ عمل ہوں۔

قرار داد کے چھٹے نکتہ میں کہا گیا۔

تمام اسلامی ہندوستان، ہندوستان کی لُوٹ کھسوٹ کے خلاف صف آرا ہے اور بار بار اس نے آزاد ہندوستان کی تائید میں اعلان کیا ہے، مگر وہ اتنا ہی مخالف اس کا ہے کہ مسلمانوں یا دیگر اقلیتوں پر

ہندوؤں کا استبداد قائم ہو اور اسلامی ہند کو غلام بنایا جائے۔

قرار داد کے آخر میں کہا گیا:

"اگر حکومتِ برطانیہ اس نازک' عالمگیر اور شدید خطرہ میں مسلمانانِ ہند کا پورا' مؤثر اور باعزّت اشتراکِ عمل چاہتی ہے اور اس کی یہ خواہش ہے کہ یہ کامیابی سے ختم ہو' تو اسے چاہئے کہ مسلمانانِ ہند میں سلامتی اور اطمینان کا احساس پیدا کرے اور آل انڈیا مسلم لیگ کا اعتماد حاصل کرے کیونکہ اسلامیانِ ہند کی نمائندگی کی مجاز یہی انجمن ہے۔

مجلسِ عاملہ مسلمانوں سے اپیل کرتی ہے کہ اس مشکل اور نازک وقت میں اس عزمِ راسخ کے ساتھ مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع رہیں کہ نو کروڑ مسلمانوں کی عزّت' وقار اور مستقبل کے لئے جس قربانی کی ضرورت ہو اس سے دریغ نہیں کریں گے"۔

(جنگ_ مسئلہ دستور ہند۔ از نوابزادہ لیاقت علی خاںؒ)

28ر ستمبر کو قائدِاعظمؒ نے عثمانیہ یونیورسٹی کی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے سالانہ ڈنر میں شرکت فرمائی اور اس یادگار موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں ہمیشہ سے اس کا قائل ہوں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان معاہدہ طے ہو۔ لیکن یہ معاہدہ قابلِ احترام ہونا چاہئے۔ ایسا نہیں جس کا مقصد یہ ہو کہ ایک تباہ ہو جائے اور دوسرا جئے اور پروان چڑھے۔ ہماری بد نصیبی سے کانگرس کا اقتدارِ اعلیٰ اس کے لئے تیار نہیں کہ دوستی کے ہاتھ کو تھامے۔ بلکہ وہ اس ہاتھ کو مٹانے کے درپے ہے جو دوستی کے لئے بڑھایا جائے۔ اِس وقت کسی کو روشنی نظر نہیں آرہی لیکن آپ ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ دونوں قومیں کب متحد ہو جائیں گی۔ ہمارے سامنے جرمنی اور سوئیت روس کی تازہ مثال موجود ہے۔ یہ دونوں قومیں بدترین دشمن تھیں مگر ان کے درمیان معاہدہ ہو گیا"۔

"میں ہر مسلمان سے کہوں گا کہ اسلام آپ میں سے ہر ایک سے' اور مجموعی طور پر سب سے' یہ توقع رکھتا ہے کہ اپنا فریضہ سرانجام دیں اور اپنی ملّت کی حمایت میں اس طرح بنیان مرصوص بن کر کھڑے ہو جائیں گویا سب یک نفس ہیں"۔ مسئلہ دستور ہند)

بانگِ رحیل :- علی گڑھ یونیورسٹی یونین کی فرمائش پر انہوں نے ملک کے مسلم نوجوانوں کے نام ایک پیغام میں مزید فرمایا:

"مسلم لیگ ہندوستان کی کامل آزادی کی طالب ہے۔ ایسی آزادی جو کسی ایک فرقہ کے لئے نہیں بلکہ ان سب قوموں کے لئے ہو جو اس برِّصغیر میں آباد ہیں۔ مسلم لیگ داعی ہے ایک آزاد اور خود مختار اسلام کی۔ اور اسلام ہر مسلمان سے توقع کرتا ہے کہ اس کے لئے اپنا فرض ادا کرے۔ تاریخ کے اس نازک دور میں وہ مقام اور منصب حاصل کرنے کے لئے جو مسلمانوں کی روایات اور ماضی کے ورثہ کے شایانِ شان ہو' جس قدر بھی عظیم قربانیاں کی جائیں' کم ہیں۔ اور بالخصوص اس وقت جب کہ ایک ہولناک جنگ اور خطرناک ترین صورتِ حال درپیش ہے' جس سے یقیناً نظامِ عالم بدل جائے گا' مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کے مسلم نوجوان جن پر قومی ذمّہ داریوں کا بار پڑنے والا ہے' نو کروڑ اسلامیانِ ہند کے مستقبل کی تعمیر میں مدد کرنے سے قاصر نہیں رہیں گے"۔

(ایضاً)

مسلم لیگ اب قائدِاعظمؒ کی قیادت میں نو کروڑ مسلمانوں کی واحد نمائندہ تنظیم کا منصب حاصل کر چکی تھی۔ وائسرائے کے سرکاری مذاکرات میں قائداعظمؒ کو صدر کانگرس اور گاندھی جی کے برابر مقام حاصل ہو چکا تھا۔ اور ان کی مضبوط قیادت میں مسلمانوں کے خلاف کانگرس کے تمام منصوبے خاک میں مل رہے تھے۔ اس صورتِ حال نے کانگرسی رہنماؤں کو آپے سے باہر کر دیا۔ گاندھی جی جیسا ذمّہ دار اور آزمودہ کار رہنما تلملا اُٹھا اور "ہری جن" میں ایک مقالہ سپردِ قلم کرتے ہوئے انہوں نے قائداعظمؒ پر الزام لگایا کہ

کذب و افترا :- مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے جناح صاحب کی اُمیدیں دولتِ برطانیہ سے وابستہ ہیں۔کوئی چیز جو کانگرس کرے اور دے انہیں مطمئن نہیں کر سکتی۔

5 نومبر 1939ء کے اخبارات میں قائدِاعظمؒ نے اس الزام کا جواب دیتے ہوئے ایک بیان میں کہا:

"یہ قطعی افترا اور اسلامیانِ ہند کی توہین ہے جس کا مسٹر گاندھی جیسے مرتبے کے شخص کو مرتکب نہیں ہونا چاہئے تھا"۔

جوابِ آں غزل :- اور پھر انہوں نے واضح فرمایا:

"میں مسٹر گاندھی کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلمانانِ ہند اپنی اور صرف اپنی طاقت پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ ہم نے اپنے ان حقوق و مفادات کے لئے کانگرس اور برطانیہ دونوں کے علی الرغم آخری خندق تک جنگ لڑنے عزم کر لیا ہے اور کسی دوسرے پر تکیہ کرنا نہیں چاہتے"۔ (جنگ --- مسئلہ دستور ہند)

اپنے آئینے میں :- خود فریبی کا یہ کیسا عجیب و غریب مرحلہ ہے کہ قائدِاعظمؒ پر برطانیہ پرستی کا الزام عائد کرنے سے صرف ایک ہفتہ قبل گاندھی جی برطانوی سامراج کے حق میں یہ عجیب و غریب اعلان فرما چکے تھے۔"تھوڑی دیر کے لئے غور کیجئے کہ اگر انگریز اچانک ملک کو خالی کر دیں تو کیا ظہور پذیر ہو گا؟ اگر ملک میں حکومت کرنے کے لئے کوئی بیرونی حکومت موجود نہ ہو تو اس بات سے انکار کرنا مشکل ہے کہ پنجابی، خواہ وہ مسلمان ہوں یا سکھ، ہندوستان کو اپنی جولاں گاہ بنا لیں گے---- ہم نے ملک میں جمہوریت کا جو ڈھونگ رچا رکھا ہے تو وہ صرف انگریز کی سنگینوں کی امداد پر منحصر ہے۔پس اگر کسی کو یہ ضرورت ہے کہ کسی طاقتور عنصر کی دست بُرد سے ملک کو بچانے کے لئے انگریز یہاں موجود رہیں تو وہ کانگرسی ہندو اور وہ دیگر لوگ ہیں جن کی نمائندگی کا کانگرس کو دعویٰ ہے"۔ (اسٹیٹس مین 22 اکتوبر 1939ء)

ایک اہم انتباہ :- ایک طرف گاندھی جی کو انگریزوں کے اچانک چلے جانے کا غم یوں ستا رہا تھا اور دوسری طرف مسٹر جناح انگلستان کے شہرہ آفاق روزنامہ لنڈن ٹائمز کے ایک مقالہ کا جواب دیتے ہوئے برطانیہ پر واضح کر رہے تھے کہ میں بلا خوفِ تردید یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ مسلم لیگ، ملّتِ اسلامیہ کی نمائندگی اس سے زیادہ صحیح معنوں میں اور مؤثّر طریق پر کر رہی ہے، جس طرح کہ ملک معظم کی موجودہ حکومت برطانوی قوم کی کر رہی ہے۔ اگر اخبار "ٹائمز" کا یہ خیال ہے کہ حکومت برطانیہ کے

سائے میں مسلمانوں کی رضا مندی اور منظوری کے بغیر کوئی فیصلہ ان کے سر مُنڈھا جا سکتا ہے تو وہ شدید غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ مسلمان قطعاً" اس کے لئے تیار نہیں کہ اپنی تقدیر اور مستقبل کو کسی دوسرے کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ یہ آخری فیصلہ خود مسلمان ہی کر سکتے ہیں کہ کیا کچھ اُن کے لئے بہتر ہے۔ بنابریں وہ تمام عناصر جو ہندوستان کے مستقبل کی تشکیل میں حصّہ دار ہیں، ان سب پر لازم ہے کہ مسلمانوں کو ایک معزّز اور ذمّہ دار قوم متصوّر کریں۔ (جنگ -- مسئلہ دستور ہند)

جنوری 1940ء کے وسط میں قائداعظمؒ نے راجکوٹ سے ایک اہم بیان حوالۂ اشاعت کیا۔ اس بیان میں وہ حکومتِ برطانیہ کو بھی مخاطب کرتے ہیں۔ قوم کی تنظیمی قوت بھی کتنی اہم شے ہے اور پھر اس پر ان کا پُرجلال اندازِ تخاطب۔ انہوں نے فرمایا۔

"میں انتباہ کئے دیتا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ وائسرائے اور حکومتِ برطانیہ پورے طور پر اس حقیقت کو سمجھ لیں گی کہ اگر ماضی کی صورتِ حال کا اعادہ کیا گیا یا ان ضمانتوں کو پورا نہ کیا گیا جو دی جا چکی ہیں یا ان کا احترام ملحوظ نہ رکھا گیا تو ہندوستان میں نہایت ہی خطرناک صورتِ حال پیدا ہو جائے گی۔ مسلم ہندوستان ان تمام ذرائع سے جو اس کے اختیار میں ہیں، ایسی صورتِ حال کا مقابلہ کرے گا اور کسی قربانی سے دریغ نہیں کریگا۔" (ایضاً)

اعترافِ حقیقت :- قائداعظمؒ کی یہی جرأتِ رندانہ تھی اور آزادی کے حصول کے یہی ولولے تھے جن سے ہر آزادی پسند شخصیت شدید طور پر متأثّر ہوئی۔ چنانچہ نومبر 1939ء کے آغاز میں جب پنڈت جواہر لال نہرو نے ان سے شرفِ ملاقات حاصل کیا تو ملاقات کے بعد اخباری نمائندوں سے گفتگو کرتے ہوئے کانگرس کے اس ممتاز رہنما نے برملا کہا۔

ہماری باتیں بالکل کُھلی کُھلی ہوئیں۔ اگرچہ ہمارے زاویۂ نگاہ میں فرق ہے لیکن جہاں تک مطمحِ نظر کا تعلق ہے، لیگ اور کانگرس میں کوئی اختلاف نہیں۔ دونوں کا نصب العین آزادی ہے۔ (اسٹیٹس مین 6 نومبر 1939ء)

یومِ نجات :- 22 دسمبر 1939ء کو اسلامیانِ ہند نے قائداعظمؒ کی اپیل پر "یومِ نجات" منایا۔ یومِ نجات کے مُلک گیر، منظّم اور عدیم المثال مظاہرے اس قوتِ تنظیم کے بے مثال مظہر تھے جو قائداعظمؒ کی قیادت میں صدیوں کے بعد پہلی بار اس برِّصغیر کے مسلمانوں میں پیدا ہوئی۔ "یومِ نجات" کا پس منظر یہ تھا کہ مسلم لیگ کے مسلسل مطالبہ کے پیشِ نظر حکومتِ برطانیہ نے فیڈرل سکیم کو جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کا جزوِ لاینفک تھا، معطل کر دیا۔ وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو نے اس سلسلہ میں پہلے 11 ستمبر 1939ء کو مرکزی اسمبلی میں ملکِ معظم کا پیغام پڑھ کر سنایا اور پھر 17 ستمبر کو ایک وضاحتی بیان میں بتایا کہ:

"ملکِ معظم کی گورنمنٹ نے مجھے یہ اعلان کرنے کا اختیار دیا ہے کہ اختتامِ جنگ پر وہ خوشی سے مختلف فرقوں، پارٹیوں اور مفادات کے نمائندوں اور والیانِ ریاست سے مشورہ کریں گے تاکہ اس قسم کی ترمیمات کرنے میں جو مناسب معلوم ہوں ان کی مدد اور تعاون حاصل کیا جائے"۔

مسلم لیگ کے اس مطالبے کے جواب میں کہ ملک کی آئینی ترقی کے بارے میں اس سے مشورہ اور منظوری حاصل کئے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا مذکورہ سرکاری اعلان میں کہا گیا۔

یہ ناقابلِ تصور ہے کہ ہم ہندوستان کے آئندہ دستورِ حکومت کے کسی اہم جزو کو از سرِ نو وضع کرنے بیٹھیں یا اس میں کسی اعتبار سے ترمیم کریں اور یہ بغیر ان سے (مسلمانوں سے) مشورہ کئے ہو۔

فیڈرل اسکیم کے اس طرح معرضِ التوا میں پڑ جانے سے کانگرس کے ہندو راج کے منصوبے خاک میں مل گئے۔ اس نے برطانیہ کو جنگِ عظیم کے خطروں میں گھرا دیکھ کر کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کے قیام کا مطالبہ کر دیا اور اس سلسلے میں حکومت کو مرعوب کرنے کے لئے 22 اکتوبر کو سات صوبوں کی کانگرسی وزارتیں مستعفی ہو گئیں۔ کانگرسی رہنما اس خود فریبی اور خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ دورانِ جنگ میں ان کا یہ اقدام انگریز کو ان کے مطالبہ کے سامنے سرِتسلیم خم کرنے پر مجبور کر دے گا اور دنیا کی رائے عامہ بھی ان کی تائید کرے گی۔ یہ تھی وہ راہ جس پر چل کر کانگرس کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی اور اس طرح پورے ملک پر اپنے استبداد کا سکّہ بٹھانا چاہتی تھی۔ لیکن اس نے اس حقیقت کو محسوس نہ کیا کہ اب ایک نئی قوت پورے نظم و ضبط کے ساتھ اُبھر کر اس کے مقابلے میں آچکی ہے اور اسے وہ قیادت حاصل ہے جو 9 کروڑ مسلمانوں پر استبداد کے سارے منصوبوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گی۔ کانگرس نے بساطِ سیاست پر ابھی اس مُہرے کو بمشکل حرکت دی تھی کہ قائداعظمؒ اپنے مخصوص

اسلامیانِ ہند کے نام یہ اپیل شائع کر دی کہ کانگرس کے مہاسبھائی استبداد اور غلبہ و استیلاء سے نجات حاصل کرنے کی خوشی میں 'یومِ نجات' منایا جائے۔ قائداعظم کی اس اپیل پر ملک کے طول و عرض سے صدائے لبیک بلند ہوئی۔ دیگر اقلیتیں بھی ان مظاہروں میں مسلمانوں کے شانہ بشانہ کھڑی تھیں اور 22 دسمبر 1939ء کو ملک کے طول و عرض میں "یومِ نجات" اس ولولے اور منظم جوش و خروش سے منایا گیا کہ مسلم لیگ کی ہمہ گیر قوت تنظیم اور قائداعظمؒ کی عدیم النظیر فراست کی دھاک برطانیہ اور کانگرس دونوں پر بیٹھ گئی۔ اور کانگرس اپنے ان مظالم کی بنا پر جو اس نے نشۂ اقتدار میں اقلیتوں پر ڈھائے تھے اپنی فتح کے ڈنکے بجانے کے بجائے عدل و انصاف کی بارگاہ میں مجرم بن کر کھڑی تھی۔ "یومِ نجات" کو روکنے کے لئے کانگرس نے تمام حربے استعمال کئے۔ گاندھی جی نے اپیل شائع کی اور پنڈت جواہر لال نے قائداعظمؒ سے ملاقات کے لئے سلسلۂ مراسلت قائم کیا اور اس اپیل اور مراسلت میں بالواسطہ اور بلا واسطہ طور پر اس اقدام کے روکنے کی خواہش کی لیکن اس ضربِ کلیمی کو روکنا کسی کے بس کا روگ نہیں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی اکثریت کے جنون میں کانگرس نے اقلیتوں کے خلاف ظلم کی جس دودھاری تلوار کو استعمال کیا تھا اور ان کی قومی آرزوؤں کو پامال کرنے میں جو دیدہ دلیری دکھائی تھی اس کی صدائے بازگشت سے فضاؤں میں لرزہ طاری ہو گیا۔

باحدیثِ دیگراں :- مشہور صحافی مسٹر آرتھر مور اپنے ایک مقالہ میں جو "ہماری جنگ" کے عنوان سے اسٹیٹس مین میں شائع ہوا قائداعظمؒ کی عظیم فراست

کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ایسے نازک وقت میں ایسا محکم اور اتنا جلد فیصلہ مسٹر جناح کے جوہر قیادت کی ایک ایسی دلیل ہے جس کا مقابلہ اگر کیا جا سکتا ہے تو مسٹر چرچل کی اس تقریر سے جو انہوں نے جرمنی کے روس پر حملہ آور ہونے کے وقت کی تھی"۔ (اسٹیٹس مین -- 23 نومبر 1941ء)

دستور ساز اسمبلی کا مطالبہ :- انہی ایام میں وزارتوں سے مستعفی ہونے کے بعد کانگرس کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کے سوال کو مختلف طریقوں سے ابھار کر منظر عام پر لا رہی تھی۔ گاندھی جی اس سلسلے میں "ہریجن" میں دھڑا دھڑ مضامین شائع کر رہے تھے اور ان میں مسلم لیگ کے خلاف الزام بازیوں کی مہم بھی شروع کر رکھی تھی۔ یکایک وہ ایک قدم آگے بڑھے اور برطانوی رائے عامہ کو متاثر کرنے کے لئے "نیوز کرانیکل" میں ایک مضمون شائع کرا دیا یہ مضمون کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کے مطالبہ کی وضاحت اور حمایت میں تھا۔ قائداعظمؒ دیر سے ہریجن میں شائع شدہ الزام بازیوں کا خاموشی سے مطالعہ کر رہے تھے لیکن جوں ہی نیوز کرانیکل میں گاندھی جی کا مضمون شائع ہوا وہ دلائل سے مسلح ہو کر میدان میں آگئے اور ایک ہی ٹھوکر سے پروپیگنڈے کے اس گھروندے کو پاش پاش کر دیا جو نیوز کرانیکل کے ذریعے گاندھی جی نے تیار کرنے کی کوشش کی تھی۔ اخبارات کے نام اپنے بیان میں انہوں نے صاف اور واشگاف الفاظ میں اعلان کیا۔

"مسٹر گاندھی جیسے شخص کا اس سے زیادہ فتنہ پردازانہ بیان اور نہیں ہو سکتا۔ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ وہی گاندھی ہیں جو راست بازی کے مبلغ بنتے ہیں۔ اب جب کہ کانگرس کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے یعنی یہ کہ وہ ہندوستان کی نمائندہ نہیں مسٹر گاندھی نے یہ پسند فرمایا ہے کہ وہ کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کے موید بن جائیں۔ جو ہندوستان کے موجودہ حالات میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ کانگرس کی مہاسبھائی ذہنیت کا دوسرا اور زیادہ ضخیم ایڈیشن ہے------

وہ (مسٹر گاندھی) برطانیہ کے دوست کی حیثیت سے جس کے ساتھ ان کے بہت ہی گہرے ذاتی تعلقات ہیں اس کے لئے اضطراب ظاہر فرماتے ہیں کہ وہ فتح یاب ہو۔ اور وہ بھی اس لئے نہیں کہ وہ آلات حرب کے استعمال میں افضل ہے بلکہ اس لئے کہ اس کا یہ ارادہ ہے کہ انتہا تک "حق" پر قائم رہے لہٰذا وہ اس کے لئے مضطرب ہیں کہ برطانیہ اپنی فتح مندی کے لئے ان کا اتباع کرے"۔

حقیقت پسندی کی دعوت :- انہوں نے بڑی تفصیل سے گاندھی جی کے اس بیان کا تجزیہ کیا اور ان کے دلائل کے تضاد کو واضح کرتے ہوئے آخر میں فرمایا:

"میری تمنا ہے کہ مسٹر گاندھی اس قسم کی رائیں شائع کرنا بند کر دیں جو ہر روز اور ہر ہفتہ بدلتی رہتی ہیں۔ اور اپنے دماغ کو اس مسئلہ کے حل پر لگائیں جو اہمیت کے لحاظ سے ایک ہی ہے یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کے تصفیہ کا مسئلہ---- کانگرس کے لیڈروں میں وہی ایسے شخص ہیں جو ہندوؤں کی ہندوؤں کی حیثیت سے نمائندگی کر سکتے ہیں۔ اور ہندوؤں کی طرف سے مختارانہ عمل کے ذریعے ملک

کی سب سے بڑی دو قوموں میں سمجھوتہ کرا سکتے ہیں۔ پھر جو ہونے والا ہے ہوتا رہے گا۔ مجھے اس پیش کش کو دہرانے کی ضرورت نہیں کہ باعزت سمجھوتہ کے لئے میں مسلمانوں کی طرف سے ہر وہ امداد دینے کو تیار ہوں جو میرے اختیار میں ہے"۔ (مسئلہ دستور ہند)

سیاسی امراض اور ان کا علاج :- قائداعظمؒ مزید آگے بڑھے اور انہوں نے "نیوز کرانیکل" میں گاندھی جی کے شائع کردہ مذکورہ مضمون کے جواب میں 19 جنوری 1940ء کو انگلستان کے اخبار "ٹائم اینڈ ٹائڈ" میں ایک اہم مضمون حوالہ اشاعت کیا۔ اس مضمون کا عنوان تھا--- "ہندوستان کے سیاسی امراض اور ان کا علاج"--- اس مضمون میں انہوں نے اپنی مخصوص قوت استدلال سے ان "دستوری عوارض" کی وضاحت کی جو اس برصغیر کے جسد سیاسی کو لاحق تھے اور بالتفصیل بتایا کہ جمہوریت کے مروجہ تصور کو جو مغربی ذہن کی پیداوار ہے اس ملک پر مسلط کرنا جہاں ایک سے زیادہ اقوام آباد ہیں ناقابل برداشت تصور کیا جائے گا۔ انہوں نے دستوری اصلاحات سے متعلق جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ کا حسب ذیل اقتباس اٹل شہادت کے طور پر پیش کیا جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی جداگانہ حیثیتوں پر یوں تبصرہ کیا گیا تھا:

"ان دونوں کے درمیان جو فرق ہے وہ سخت تر مفہوم کے اعتبار سے مذہب ہی کا فرق نہیں بلکہ نظام حیات اور ثقافت کا بھی تفاوت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دونوں ممیّز اور جداگانہ تہذیبوں کے نمائندے ہیں۔ ہندومت ذات پات کے اس مظاہرے سے متعارف ہوتا ہے جو اس کے مذہبی اور معاشرتی نظام کی بنیاد ہے۔ دوسری طرف اسلام ہے جو انسانی مساوات کے اصول پر مبنی ہے"۔ (مسئلہ دستور ہند)

اس شہادت کے ساتھ ہر دو اقوام کے مابین مبینہ امتیاز کو واضح کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے بتایا کہ ایسی صورت میں مغربی جمہوریت کے اصولوں پر کسی دستور کی تشکیل و تنفیذ یہاں ہندو اکثریت کے غلبے اور استبداد کا پیش خیمہ ثابت ہو گی اور پھر انہوں نے کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کے قیام کے سلسلے میں گاندھی جی کی بے تابیوں کی نقاب کشائی کرتے ہوئے برطانوی عوام کو بتایا:

"مسٹر گاندھی جو صف اول کے ایک ہوشیار ہندو سیاست دان ہیں' کی قیادت میں کانگرس نے (جو بالخصوص ایک ہندو جماعت ہے) بہت دنوں پہلے پیش بینی کر لی تھی کہ مغربی جمہوریت کے اندر ہندوؤں کے لئے تمام ہندوستان پر مستقل غلبہ حاصل کرنے کی امیدوں کی تکمیل کا سامان پوشیدہ ہے۔ چنانچہ ان کی تمام کوششیں اور قوتیں اس پر مرکوز ہو گئیں کہ ہندوستان کے لئے ایک جمہوری طرز کی حکومت حاصل کی جائے۔ انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اگر نئے دستور کو ان اصولوں پر چلایا جا سکے جو ان کے لیڈر اور ورکنگ کمیٹی نے ترتیب دیئے تھے تو نیا دستور انہیں منزل مقصود کے انتہائی قریب پہنچا دے گا"۔ (ایضاً)

پھر انہوں نے صوبائی وزارتوں میں کانگرسی مظالم کے تلخ تجربات کی تفصیل پیش کرتے ہوئے برطانوی عوام سے سوال کیا کہ:

"آیا برطانوی عوام کی خواہش یہ ہے کہ ہندوستان ایک ایسی ہمہ گیر' مطلق العنان ہندو مملکت کی شکل

اختیار کر لے جس کی مرکزی اور صوبائی حکومتیں مجالس قانون ساز یا رائے دہندگان کی بجائے اس سیاسی تنجلس کے سامنے جواب دہ ہوں جس کا نام کانگرس کمیٹی ہے۔ اور جس کی نظیر دنیا کے کسی دستور میں موجود نہیں۔ برطانوی عوام کو یقین کر لینا چاہئے کہ اگر کانگرس کا یہ مطالبہ منظور کر لیا گیا کہ ہندوستان کو ایک دستور ساز اسمبلی کے ذریعے دستور بنانے کا حق حاصل ہو تو حالات لامحالہ یہی صورت اختیار کریں گے"۔ (ایضاً)

اس مرحلہ پر انہوں نے برطانوی حکمرانوں کو دو ٹوک الفاظ میں یوں خبردار کیا:

"اگر برطانوی حکومت اچانک طور پر (اس مطالبے سے) ہراساں ہو گئی اور جنگ کی وجہ سے پیدا شدہ صورت حال کے تنکوں میں ڈھکے ہوئے گڑھے میں گر گئی تو ہندوستان انتہائی نازک صورت حال سے دوچار ہو جائے گا اس کے نتائج کے بارے میں آج کوئی شخص پیش گوئی نہیں کر سکتا۔ لیکن میں یقیناً یہ محسوس کرتا ہوں کہ اسلامی ہند کسی قیمت پر ایسی پوزیشن پیدا ہونے نہیں دے گا۔ اور اپنی وہ تمام قوت اور ذرائع جو اسے حاصل ہیں اس کے مقابلے میں بروئے کار لے آئے گا"۔ (ایضاً)

گاندھی جی سے سلسلہ مراسلت :- تحریک پاکستان کے پس منظر کے ان تدریجی مراحل کو پیش کرتے ہوئے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس مقام پر اس سلسلہ مراسلت کے بعض نمایاں گوشے منظر عام پر لائیں جو انہی ایام میں قائداعظمؒ اور کانگرسی رہنماؤں (گاندھی جی اور پنڈت جواہر لال نہرو) کے مابین جاری تھا۔ ہمارے سامنے سب سے پہلے وہ خط آتا ہے جو گاندھی جی نے "یوم نجات" کے مظاہروں سے متاثر ہو کر قائداعظمؒ کے نام لکھا۔ اس خط کے ساتھ اس نوٹ کی ایک نقل بھی منسلک تھی جو وہ اپنے اخبار "ہریجن" میں شائع کر رہے تھے۔ اور اس میں انہوں نے قائداعظمؒ کی یوم نجات سے متعلقہ اپیل کو یہ معنی پہنانے کی کوشش کی تھی کہ اس سلسلے میں غیر مسلم اقلیتوں کے اشتراک سے وہ (قائداعظمؒ) دراصل کانگرس کے خلاف ایک محاذ قائم کرنے میں کوشاں ہیں۔ گاندھی جی کے 16 جنوری 1940ء کے اس مراسلہ کا جواب دیتے ہوئے قائداعظمؒ نے انہیں لکھا:

"مجھے اس بات سے مسرت حاصل ہوئی کہ آخر آپ کو معلوم ہو گیا کہ "یوم نجات" کی اہمیت اور حقیقی معنی کیا ہیں۔ یقیناً یہ درست ہے کہ بہت سے غیر کانگرسی ہندوؤں نے یوم نجات اور ہمارے مفاد سے ہمدردی ظاہر کی ہے۔ اسی طرح جسٹس پارٹی، ہریجنوں اور پارسیوں نے بھی جو کانگرس کے مصائب کا شکار ہوئے ہیں یوم نجات کی تقریب میں حصہ لیا۔ تاہم مجھے خدشہ ہے کہ آپ نے اس مظاہرہ کو غلط معنی پہنانے کی کوشش کی ہے۔ غیر مسلموں کی یوم نجات کے مظاہروں میں شرکت کی وجہ ایک حد تک یہ بھی تھی کہ مصیبت نے سب کو ایک پلیٹ فارم پر لاکھڑا کیا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ مشترکہ مفاد نے اقلیتوں کو متحد ہونے کی ترغیب دی ہو۔

مجھے اس امر میں کبھی شبہ نہیں ہوا۔ اور میں ایک بار پھر یہ اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں نہ تو ایک قوم بستی ہے اور نہ میں اسے ایک ملک سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ ایک براعظم ہے جس میں مختلف قومیں آباد ہیں اور ان میں ہندو اور

مسلمان دو بڑی اقوام ہیں۔ آج آپ بے شک اس سے انکار کریں کہ قوم مذہب کی بنا پر نہیں بنتی لیکن ایک موقعہ پر جب آپ سے دریافت کیا گیا تھا کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں خالص مذہبی جذبہ سے متحرک ہو کر کرتے ہیں"۔

اس وضاحت کے بعد قائداعظمؒ نے گاندھی جی سے حقیقت پسندی کے نام پر یہ اپیل کی کہ:

"مجھے امید ہے کہ معجزہ بازی کے خبط کو ترک کر کے آپ ہندوستان کو خوشی اور اطمینان کی طرف لے جانے کی جدوجہد میں اپنا مناسب پارٹ ادا کریں گے۔ حالات بڑی تیزی سے بدل رہے ہیں۔ سیاسیات کے علمبردار کی حیثیت سے ہفتہ وار "ہریجن" میں آپ کے جو مذہبی اور فلسفیانہ مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں ان سے ہندوستان آزاد نہیں ہو گا اور نہ اہمسا' ستیہ گرہ' کھدر اور چرخہ کے عجیب و غریب اصولوں سے ہندوستان کو آزادی حاصل ہو سکتی ہے۔ عمل اور تدبر کی مدد سے ہی ہم اس منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اب آپ سچی قومی خدمت کے بلند معیار پر پہنچنے کی کوشش فرمائیں گے۔ اور ملکی جدوجہد میں مناسب پارٹ ادا کر کے ہندوستان کو مسرت اور اطمینان کی زندگی کی طرف لے جائیں گے"۔

گلاب کا پھول :- اس خط کے آخری حصہ میں قائداعظمؒ کی لطافت طبع اور رفعت کردار کی ایک دل کشا جھلک بھی سامنے آتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"آخر مجھے اس بات کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ آپ یہ جاننے کے لئے بے تاب ہیں کہ میں اپنے نام کے ساتھ کس لقب کو پسند کرونگا۔ آخر ان القابوں میں کیا رکھا ہے؟ گلاب کے پھول کو کسی نام سے بھی پکاریئے اس کی دلاویز خوشبو میں کوئی فرق واقع نہیں ہو گا۔ اس لئے میں اس معاملہ کو آپ ہی کی پسند پر چھوڑتا ہوں اور اس سلسلہ میں میری اپنی کوئی خواہش نہیں۔ یقین فرمائے کہ میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ لقب کے معاملہ میں آپ کو میرے متعلق اس قدر تشویش کیوں لاحق ہے؟" (مسئلہ دستور ہند)

جواہر لال سے مکاتبت :- اب ہم اس مراسلت کی طرف آتے ہیں جس کا آغاز پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے یکم دسمبر 1939ء کے خط سے کیا۔ پنڈت جی نے اس خط میں قائداعظمؒ کو لکھا:

"جب ہم پہلی مرتبہ دہلی میں ملے تھے تو یہ طے ہوا تھا کہ فرقہ وارانہ مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے لئے ہمیں پھر ملنا چاہئے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ بمبئی واپس پہنچ کر آپ مجھے اس سلسلہ میں ملاقات کے متعلق تحریر فرمائیں گے۔ میں اسی وقت سے آپ کے خط کا منتظر ہوں---- سر سٹیفورڈ کرپس جلد ہندوستان آرہے ہیں اور اس ملک میں دو تین ہفتے گذاریں گے وہ ہندوستان کے راستے چین جا رہے ہیں---- اگر ممکن ہو تو اپنے اس مختصر قیام میں وہ آپ سے بھی ملنا چاہتے ہیں---- کیا ازراہ کرم آپ مجھے یہ بتا سکتے ہیں کہ آپ اس ماہ کے تیسرے ہفتے یا اس کے بعد بمبئی میں ہوں گے؟ ان معلومات کے ذریعے انہیں اپنا پروگرام متعین کرنے میں سہولت ہو گی۔ وہ بذریعہ ہوائی جہاز آرہے ہیں اور الہ آباد میں اتریں گے"۔

قائداعظمؒ نے 4 دسمبر کو اپنے جوابی خط میں لکھا:

"_____ میں آئندہ دو یا تین ہفتے بمبئی میں رہوں گا۔ اگر اس دوران میں سہولت ہو تو مجھے آپ سے مل کر بڑی مسرت ہو گی---- سر سٹیفورڈ کرپس کے متعلق یہ ہے کہ ان کا ایک خط مجھے موصول ہوا ہے اور میں نے ان کی ہدایت کے مطابق آپ کے پتہ پر جواب دے دیا ہے۔ لہٰذا جب وہ بمبئی آئیں گے تو ان سے ملاقات ہو جائے گی اور جب وہ مجھے لکھیں گے تو میں کوئی ایسی تاریخ مقرر کر دوں گا جو ان کے لئے موزوں ہو"۔

9 دسمبر کو پنڈت جی نے ایک اور خط لکھا۔ اس میں تحریر تھا:

"دو روز ہوئے میں نے آپ کو ایک خط لکھا ہے جس میں' میں نے آپ کو اطلاع دی ہے کہ میرا جلد بمبئی آنے کا ارادہ ہے۔ اور وہاں آپ سے ملنے کی امید ہے۔ کل صبح میں نے اخبارات میں آپ کو وہ بیان پڑھا جس میں آپ نے 22 تاریخ اس غرض کے لئے مقرر کی ہے کہ کانگرسی حکومتوں کا دور حکومت ختم ہونے پر یوم نجات منائیں------ کل سے مجھے جس چیز نے سب سے زیادہ تکلیف دی وہ یہ احساس ہے کہ ہماری زندگی کے مقاصد' قیمتوں کے اندازوں اور سیاسیات میں بہت ہی بعید فرق ہے------ نتیجہ خیز گفتگو کے لئے یہ ضروری ہے کہ گفتگو کے لئے کوئی مشترکہ بنیاد موجود ہو۔ میرے خیال میں آپ کی طرف سے بھی اور خود اپنی طرف سے بھی مجھ پر یہ واجب ہے کہ میں اس دشواری کو آپ کے روبرو پیش کروں"۔

قائداعظمؒ نے اس کے جواب میں اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا:

"_____ مجھے آپ سے اتفاق ہے کہ گفتگو کے نتیجہ خیز ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے لئے کوئی مشترک بنیاد اور کوئی مشترکہ مقصد ہو جس کا حصول پیش نظر ہو۔ اس لئے دہلی کی گفتگو میں جو گذشتہ اکتوبر میں ہوئی میں نے آپ اور مسٹر گاندھی پر یہ واضح کر دیا تھا کہ اول جب تک کانگرس مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ اور مختار مجلس تسلیم نہ کرے اس وقت تک ہندو مسلم سمجھوتے کی گفتگو ممکن نہیں۔ کیوں کہ عاملہ مسلم لیگ نے یہی بنیاد معین کر دی تھی۔ دوم یہ کہ اس سے قطع نظر کہ کانگرس کا وہ مطالبہ جو اس نے حکومت برطانیہ سے اعلان کے متعلق کیا ہے اور جو عاملہ کانگرس کے ریزولیشن میں درج ہے------ ہم اس وقت تک اس کی تائید نہیں کر سکتے جب تک کہ اقلیت کے مسئلہ کا تصفیہ نہ ہو جائے"۔

مسلم لیگ اس اعلان سے بھی مطمئن نہیں جو وائسرائے نے کیا تھا۔ اگر خوش نصیبی سے ہم ہندو مسلم مسئلہ حل کر لیتے تو ہم اس قابل ہو جاتے کہ حکومت برطانیہ سے مطالبہ اعلان کے متعلق ایسا متفقہ اصول وضع کر لیں جس سے ہم مطمئن ہو سکیں۔ مسٹر گاندھی اور آپ نے دہلی میں نہ تو میری پہلی تجویز منظور کی اور نہ دوسری۔ مگر آپ نے ازراہ کرم مجھ سے دوبارہ ملنے کی خواہش ظاہر کی اور میں نے کہا کہ میں آپ سے مل کر ہمیشہ خوش ہوں گا------

قائداعظمؒ نے مذکورہ بالا خط 13 ستمبر کو لکھا۔ پنڈت جی ان دنوں بمبئی میں ہی تشریف فرما تھے۔ اور یہ خط انہیں بمبئی کے پتہ پر ہی موصول ہوا۔ اب ہم ان کے اس جوابی مکتوب کی طرف آتے ہیں جو انہوں نے 14 دسمبر کو اپنی بمبئی کی قیام گاہ سے قائداعظمؒ کے نام تحریر فرمایا۔ اس خط میں پنڈت جی

لکھتے ہیں:

"_____ اپنے خط میں آپ نے دو ایسی ابتدائی شرائط پر زور دیا ہے جو اس سے قبل کہ کوئی مشترکہ بنیاد پیدا ہو پوری ہونی چاہئیں------ کانگرس نے ہمیشہ مسلم لیگ کو مسلمانوں کی نہایت اہم اور بااثر انجمن سمجھا ہے اور ہم اسی وجہ سے اس کے متمنی ہیں کہ ہمارے درمیان جو اختلافات ہیں وہ رفع ہو جائیں۔

لیکن بظاہر جو کچھ آپ تجویز فرما رہے ہیں۔ وہ اس سے کوئی زیادہ بڑی بات ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم کسی قسم کا انکاری اعلان کریں اور ان مسلمانوں سے برات اور علیحدگی اختیار کر لیں جو لیگ میں نہیں ہیں----- یہ ممکن نہیں کہ ہم ان سے برات اختیار کر لیں یا انہیں اپنے سے الگ کر دیں----- اگر آپ کی یہ خواہش ہے کہ لیگ کو ایسی جماعت تسلیم کیا جائے جو تمام مسلمانوں کی واحد نمائندہ ہے تو ہم اسے تسلیم کرنے سے قطعی طور پر قاصر ہیں------ آپ نے دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ مسلم لیگ کانگرس کے اس مطالبہ کی تائید نہیں کر سکتی جو اس نے برطانیہ سے اعلان مقاصد کے لئے کیا ہے----- اگر مسلم لیگ اس سے متفق نہیں ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ ہمارے سیاسی مقاصد بالکل مختلف ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کانگرس اس (مطالبہ) کو کس طرح چھوڑ سکتی ہے یا بدل سکتی ہے؟ میں ذاتی طور پر اس کوشش کی مخالفت کروں گا جو اس کے بدلنے کے لئے ہو"۔

قائداعظمؒ نے پنڈت جی کے اس طویل خط کے جواب میں 15 دسمبر کو ایک مختصر لیکن جامع جواب ارسال فرمایا اور اس میں واضح کیا کہ:

"_____ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دوسری بات کے متعلق آپ میرے مفہوم کو سمجھ نہیں سکے۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ مسلم لیگ کانگرس کے اس مطالبہ کی تائید نہیں کر سکتی جو اس نے اعلان مقاصد کے متعلق برطانیہ سے کیا ہے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ یہ ہے کہ ہم کانگرس کے اس مطالبہ کی تائید اس صورت میں نہیں کر سکتے جس صورت میں وہ عاملہ کانگرس کے ریزولیشن میں درج ہے------ اور اس کے وجوہ میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں۔

اگر کانگرس اس ریزولیشن میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہیں کر سکتی اور جیسا کہ آپ نے کہا ہے کہ آپ ذاتی طور پر اس تبدیلی کی ہر کوشش کی مخالفت کریں گے اور پھر جیسا کہ آپ نے واضح فرمایا ہے کہ آپ یہ بالکل نہیں کر سکتے کہ مسلم لیگ کو مسلمانان ہند کی واحد اور مختار نمائندہ جماعت تسلیم کریں تو پھر ان حالات میں آپ مجھ سے کیا توقع رکھتے ہیں اور کیا چاہتے ہیں کہ میں کروں؟"

اب ہمارے سامنے پنڈت جی کا 16 دسمبر کا وہ خط آتا ہے جو اس سلسلہ مراسلت کی آخری کڑی ہے کیونکہ سابقہ مراسلت اور اس خط کے مندرجات کی روشنی میں قائداعظمؒ نے اس کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ پنڈت جی کے اس خط میں 14 دسمبر کے خط میں اختیار کردہ موقف کی تکرار کے سوا اور کوئی روشنی نظر نہیں آئیگی۔ وہ لکھتے ہیں:

"_____ میں اس فرق کو سمجھا جو آپ نے واضح فرمایا۔ بے شک مسلم لیگ کسی اعلان کے خیال کی مخالفت نہیں کر سکتی---- جنگ کے متعلق کانگرس نے گذشتہ گیارہ ماہ میں اپنی پالیسی کا بار بار

اعلان کیا ہے۔ موجودہ اعلان اس پالیسی کا منطقی نتیجہ ہے------ اس کی تفصیلات پر غور کیا جا سکتا ہے اور ان پر بحث ہو سکتی ہے۔ باہمی تعاون سے یہ طے ہو سکتا ہے کہ ان پر عمل کیونکر ہو۔ بالخصوص اقلیتوں اور دوسرے گروہوں کے مفاد پر احتیاط سے غور کیا جانا چاہئے اور ان کا تحفظ ہونا چاہئے لیکن اعلان کی اصل بنیاد پر ہی اعتراض کے معنی یہ ہیں کہ سیاسی تخیل اور پالیسی میں عظیم اختلاف موجود ہے۔

کیا میں پھر یہ عرض کر سکتا ہوں کہ ہم میں سے کوئی بھی مسلم لیگ کے اقتدار و اہمیت سے نہ انکار کرتا ہے اور نہ اس کو گھٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ اسی وجہ سے ہے کہ ہم اس کے متمنی ہیں کہ اس سے ملکی معاملات پر گفتگو کریں۔ اور ان دشوار مسائل کا قابل اطمینان حل تلاش کریں جو ہمارے سامنے ہیں------ میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ حقیقی دشواری یہ ہے کہ سیاسی تصور اور سیاسی مقاصد میں اختلاف ہے۔

اس وقت 22 دسمبر کے آل انڈیا مظاہرے (یوم نجات) نے ایک جذباتی روک پیدا کر دی ہے جو پوری قوت کے ساتھ باہمی ملاقات اور بحث میں مانع ہے۔ مجھے اس کا شدید افسوس ہے اور دل سے خواہش رکھتا ہوں کہ آپ اس رکاوٹ کو دور کریں۔ جو ناراضگی کی طرف لئے جا رہی ہے۔ مجھے اب بھی امید ہے کہ آپ ایسا کر سکتے ہیں----- میں بہت ہی گہرے سیاسی عقائد رکھتا ہوں اور میں نے ان کے مطابق سالہا سال جدوجہد کی ہے۔ میں ان کو کبھی چھوڑ نہیں سکتا خصوصاً اس وقت جبکہ دنیا شدید اور ہولناک خطرہ میں مبتلا ہے"۔

اس خط کے محولہ بالا مندرجات کا جائزہ لیجئے بالخصوص آخری حصہ کا۔ اور پھر سوچئے کہ قائداعظمؒ اس کا کیا جواب دیتے؟ قائداعظمؒ کی دوربین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ دس کروڑ مسلمانوں کی قوت تنظیم اور عزم صمیم کے سامنے ایک دن یہ خود سری کی چوٹیاں خم ہو کر رہیں گی۔ چنانچہ ان کی خاموشی کا مخصوص اور پروقار انداز ہی اس خط کا موزوں ترین جواب تھا اور حالات نے بتا دیا کہ کانگرس کو بالآخر وہی مقام قبول کرنا پڑا جو قائداعظمؒ نے اپنے آخری خط میں اس کے لئے تجویز کیا تھا۔

وائسرائے ہند سے خط و کتابت :- اس مرحلہ پر اس خط و کتابت کا ذکر بھی تحصیل حاصل ہو گا جو قائداعظمؒ اور وائسرائے ہند لارڈ لن لتھگو کے مابین انہی ایام میں جاری تھی۔ اس کا آغاز قائداعظمؒ کے 5 نومبر 1939ء کے پہلے مکتوب سے ہوا جس میں انہوں نے وائسرائے بہادر سے اپنے مذاکرات کی روشنی میں چند ضروری مطالبات کئے تھے۔ ان مطالبات میں اعراب فلسطین کے مطالبات کی تکمیل اور ہندوستانی فوجوں کو اسلامی ممالک کے خلاف استعمال نہ کرنے کی یقین دہانی طلب کی گئی تھی۔ اور ساتھ ہی خاتمہ جنگ پر ہندوستان کے دستور مسائل کا ازسر نو جائزہ لینے کا مطالبہ شامل تھا۔ لیکن اس مکتوب میں ان کا اہم ترین مطالبہ یہ تھا کہ:

"ملک معظم کی حکومت یا پارلیمنٹ کی طرف سے ہندوستان کی دو بڑی قوموں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کی رضا مندی اور منظوری کے بغیر اصولاً" یا کسی جزئی طریق سے نہ تو کوئی اعلان کیا جائے گا اور نہ کوئی دستور بصورت قانون منظور کیا جائے گا"۔

اس دوران میں مراسلت کا سلسلہ جاری رہا

لیکن وائسرائے بہادر کی طرف سے قطعی اور آخری جواب اس وقت موصول ہوا جب انہوں نے ملک معظم کی حکومت سے ان امور کے متعلق بالتفصیل مشورہ کر لیا۔ برطانوی حکومت سے اس مشاورت کی تکمیل کے بعد انہوں نے 13 دسمبر کو قائداعظمؒ کے نام جو خط لکھا اس میں جہاں دیگر مطالبات کے بارے میں انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی وہاں مذکورہ اہم ترین مطالبہ کے متعلق انہیں بتایا گیا کہ

میں آپ کو یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ ملک معظم کی حکومت کو اس معاملہ میں کوئی غلط فہمی نہیں ہے کہ ہندوستان کے آئینی استحکام اور ترقی کے لئے آپ کی قوم کا مطمئن ہونا کس قدر ضروری ہے۔ بنابریں آپ کو اس معاملہ میں کسی اندیشہ کی ضرورت نہیں کہ اپنی حیثیت کی وجہ سے ہندوستان میں آپ کی ملت کی رائے کو جو وزن حاصل ہے اسے گھٹایا جائے گا۔

منزل کی نشان دہی :- کانگرس اور حکومت کے مقتدر نمائندوں سے قائداعظمؒ کے اس سلسلہ مراسلت کے ساتھ ہی جس کی تفصیل سطور بالا میں پیش کی گئی ہے ہمارے سامنے ان کا وہ اہم بیان آتا ہے جو انہوں نے انگلستان کے ایک مشہور اخبار ڈیلی میل (Daily Mail) کے نمائندے کو دیا۔ اس بیان میں انہوں نے فرمایا:

"مسٹر گاندھی درحقیقت حکومت برطانیہ سے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ کانگرس کی درخواست پر بقیہ ملک کے سر ایسا نظام حکومت منڈھ دے جو کانگرس پارٹی نے معین کیا ہو۔ اگر مسٹر گاندھی حقیقی راہ عمل اختیار کرنا چاہتے ہیں تو وہ کیوں یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ برطانیہ فوراً اپنی ذلت آفرین سنگینیں' ہندوستان سے ہٹا لے تاکہ ہندوستانی عوام مکمل آزادی اور خود مختاری کے ساتھ اپنے حق خود اختیاری کو بروئے کار لانے کا فیصلہ کر سکیں۔ لیکن مسٹر گاندھی حکومت برطانیہ سے ایسا مطالبہ نہیں کریں گے کیونکہ انہیں بخوبی علم ہے کہ اگر ان حالات میں کانگرسی ٹولی نے اپنا موجودہ نصب العین جمہور ہند کے سر منڈھنے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ کیا ہو گا"۔

بعض حلقوں میں مسلم لیگ پر یہ بے بنیاد الزام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ وہ موانع اور رکاوٹیں پیدا کر رہی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اس کا سبب یہ ہے کہ انگلستان میں مسلم لیگ کے خلاف انتہائی غلط پروپیگنڈا کیا گیا ہے۔ مسلم لیگ کے طرز عمل کے متعلق یہ پروپیگنڈہ قطعاً جھوٹ پر مبنی ہے۔ مسلم لیگ نے ایک مثبت مطالبہ کیا ہے--- شدومد سے باتیں کرنے کے بجائے ہم ہر وقت ٹھوس تجاویز پیش کرنے پر آمادہ رہے ہیں۔ لیکن اب تک وائسرائے یا ملک معظم کی حکومت نے ایسی خواہش کا اشارہ تک نہیں کیا۔

اس بیان کے آخر میں قائداعظمؒ نے کانگرس اور برطانیہ دونوں کو یہ کہتے ہوئے پوری طرح خبردار کیا کہ:

"مجھے بتا دینا چاہئے کہ اب ایک بات یقینی ہے اور وہ یہ کہ اسلامی ہندوستان اپنے مستقبل یا اس ملک کے دستور کی تشکیل میں اپنے حقوق کو مسٹر گاندھی کے مفروضہ ٹریبونل یا کسی اور طرز کے ادارے کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑے گا۔ نہ اسلامیان ہند اس پر تیار ہیں کہ حکومت برطانیہ کے آخری فیصلہ کو قبول کر لیں۔ ہمارے لئے کیا کچھ بہترین ثابت ہو سکے گا اس کا قطعی اور آخری فیصلہ خود اسلامیان ہند کی منشا

پر موقوف ہے اور وہی اس کے آخری جج ہوں گے"۔ (مسئلہ دستور ہند)

آؤ تیاری کریں :- اس بیان کے جلد بعد قائداعظمؒ کو مولانا شوکت علی مرحوم کی ایک یادگار کی نقاب کشائی کی تقریب میں شرکت فرمائی کا موقع ملا۔ ان سے قبل مولانا ظفر علی خان ایک دھواں دھار اور ہنگامہ خیز تقریر کر چکے تھے۔ چنانچہ جب قائداعظمؒ خطاب کے لئے کھڑے ہوئے تو انہوں نے اس ہنگامی اور جذباتی تقریر کی روشنی میں حاضرین کے جذبات و احساسات کا رخ واقعات اور حقائق کی طرف پھیر دیا اور واضح کیا کہ جذبات کے دھارے پر بہنے کے بجائے اسلامیان ہند کو حقیقت پسندی سے سیاسیات ہند میں اپنے مقام کو سمجھنا چاہئے۔ انہوں نے حقیقت حال واضح کرتے ہوئے فرمایا:

"مالی حیثیت سے ہم دیوالیے ہیں۔ اقتصادی لحاظ سے صفر اور تعلیمی نقطہ نظر سے پست ترین سطح پر کھڑے ہیں۔ اس لئے میں انتہائی سنجیدگی سے کہوں گا کہ اگر آپ اپنا حقیقی مقام و منصب حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اپنے آپ کو مسلح کیجئے اور اپنے اندر ضروری صلاحیتیں پیدا کیجئے۔ اس قسم کی گفتگو سے کوئی فائدہ نہیں کہ مسلمانوں نے صدیوں تک اس ملک پر حکومت کی ہے اور اب بھی ان کو حکومت کرنے کا حق ہے۔ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ محنت کرو اور استقلال سے اپنی جدوجہد جاری رکھو۔ ذمہ داری اور فرض شناسی کا احساس پیدا کیجئے"۔

اس کے بعد انہوں نے سیاسی صورت حال کا یوں تجزیہ فرمایا:

"برطانیہ اپنا اقتدار قائم رکھنے کا مدعی ہے۔ دوسری طرف مسٹر گاندھی ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم انکسار پسند لوگ ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم ان میں سے کسی کو نہ تو الگ الگ اور نہ مجموعی طور پر یہ اجازت دیں گے کہ وہ ہم پر حکومت کرے۔ دنیا جان چکی ہے اور برطانوی حکومت نے اپنی دور اندیشی سے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے کہ مسلم لیگ اور صرف مسلم لیگ اسلامی ہند کی واحد نمائندہ اور بااختیار مجلس ہے۔ لیکن اگر کہیں روشنی طلوع نہیں ہوئی تو صرف شیو گاؤں میں---- مسٹر گاندھی ابھی تک اندھیرے میں بھٹک رہے ہیں"۔

انہوں نے ایک حقیقت پسند سالار اعظم کی حیثیت سے اپنے ساز وبراق کی تفصیل بھی اپنے سپاہیوں کے سامنے واضح کر دی اور کہا:

"اورنگزیب روڈ پر میری نجی قیام گاہ کو شاید قابل رشک سمجھا جائے مگر سیکریٹریٹ کہاں ہے اور فوج کہاں۔ میرا تمام اسلحہ خانہ صرف اس قدر ہے---- ایک اٹاچی کیس۔ ایک ٹائپ رائٹر اور ایک پرسنل اسسٹنٹ"۔

اور اس کے ساتھ ہی ایک اٹل حقیقت کا یوں اظہار فرمایا:

"اگرچہ میں نے یہ بات صاف اور واشگاف طور پر بیان کر دی مگر میں شکست تسلیم کرنے کا بھی قائل نہیں۔ مجھے اپنی قوم پر پورا اعتماد ہے۔ مگر میں اس کے خلاف ہوں کہ اپنی مشکلات کو کم کر کے دکھایا جائے۔ ان تمام مشکلات کے باوجود جو ہماری راہ میں حائل ہیں میرا اب بھی یقین ہے کہ مسلمان ہر دوسری قوم سے بہتر سیاسی دماغ رکھتے ہیں۔ سیاسی ذکاوت ان کے خون میں رچی ہوئی ہے۔ اسلام کی حرارت ان کے رگ و پے میں دوڑ رہی ہے۔ جب

میں نے یہ محسوس کیا کہ ہمارے فیصلے چند آدمیوں کے فیصلے نہیں بلکہ یہ پوری قوم کی آواز ہیں تو میں خوشی خوشی پیش قدمی کا حکم دوں گا۔ اگر ایسی صورت سامنے آئی تو میں خود سب سے پہلے سینہ پر گولی کھانے کے لئے آگے بڑھوں گا۔ اس سے قبل کہ میں آگے بڑھنے کا حکم دوں میں یہ یقین حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ دشمنوں پر فتح پانے کے معقول امکانات موجود ہیں"۔

قائداعظمؒ کی اس تقریر کا ایک ایک لفظ جنگ کی تیاری کا بگل تھا۔ وہ اپنی ملت کو صورت حال کے تمام گوشوں سے آگاہ فرما رہے تھے۔ اور گرد و پیش کا نقشہ پوری تفصیل سے ان کے سامنے لا رہے تھے۔ چنانچہ اس کے بعد انہوں نے یہ تفصیل بھی پیش کی کہ:

"(گذشتہ) ستمبر تک انگلستان ہٹلر کے مقابلہ کے لئے تیار نہیں تھا اس لئے آسٹریا اور چیکوسلاویکیا کو قربان کرنا پڑا۔ مسٹر چمبرلین کو ہٹلر کی خوشامد کے لئے میونخ جانا پڑا۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس وقت برطانیہ ایک طاقتور سلطنت نہیں تھی؟ کیا اس وقت برطانوی بیڑہ اور فوج طاقتور نہیں تھے؟ مسٹر چمبرلین نے اس وقت جنگ سے جان کیوں بچائی؟ وجہ صرف یہ تھی کہ انہوں نے اس وقت یہ محسوس کیا کہ وہ پوری طرح تیار نہیں۔ اسی طرح جب مجھے یہ یقین ہو جائے گا کہ مسلمان جنگ کے لئے تیار ہیں تو میں بلا تامل انہیں آگے بڑھنے کا حکم دوں گا اور جو کوئی اس وقت غداری کرے گا وہ اس کا سزاوار ہو گا کہ اسے گولی مار دی جائے۔ مہاتما گاندھی بھی باوجود اپنی قدر طاقتور تنظیم، غیر محدود وسائل اور پریس کی ... کے سول نافرمانی کے لئے برابر پس و پیش کر رہے ہیں۔ اسی وجہ سے کہ وہ تیار نہیں۔ اور تیاری کر رہے ہیں۔ مسلمانوں سے میرا مشورہ بھی یہی ہے کہ ----- آؤ ہم بھی تیار ہو جائیں-------"

تیاری کا بگل بج چکا تھا۔ قوم کے محبوب قائد نے تیاری کے لئے ملک گیر اپیل کر دی تھی اور اب ملت ایک اہم اور تاریخی جدوجہد کے لئے تیار ہو رہی تھی۔ اس دوران میں عاملہ مسلم لیگ فیصلوں کی توثیق کے لئے 25 فروری 1940ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس منعقد ہوا۔ کونسل کے اس اہم اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے سب سے پہلے قائداعظمؒ نے مجلس عاملہ کے فیصلوں کا پس منظر پیش کیا اور ان مطالبات کی تفصیل بیان کی جو جنگ عظیم سے پیدا شدہ صورت حال کی روشنی میں حکومت کے سامنے لائے گئے۔

لیگ کونسل سے خطاب مسلمانوں کی واحد نمائندہ اور بااختیار جماعت کی حیثیت سے مسلم لیگ کے متعلق مجلس عاملہ کی قرار داد کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

"ایک اور مطالبہ یہ تھا کہ عبوری دور کے لئے کسی پارٹی کے دباؤ یا دھمکی سے مرعوب ہو کر، خواہ وہ کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہو، نہ تو مسلم لیگ کی رضا مندی حاصل کئے بغیر کوئی سمجھوتہ کیا جائے گا اور نہ مسلم لیگ کسی اعلان یا آئین کو قانونی صورت دینے سے اتفاق کرے گی تاآنکہ اس کی منظوری نہ لی جائے۔ اس معاملہ میں وائسرائے نے پورا اطمینان دلایا ہے کہ وہ مسلمانوں کی اہمیت کو اچھی طرح محسوس کر رہے ہیں اور کسی ایسے سمجھوتے کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا جس میں مسلمانوں کو نظر انداز کر

دیا گیا ہو۔ یہ بیان ناقابل اطمینان ہے۔ اس نے مسلمانوں کو صرف صلاح و مشورہ کی منزل عطا کی ہے اور مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ ان کے مستقبل کا فیصلہ ان کے اپنے ہاتھوں میں ہو"۔

کانگرسی وزارتوں نے اپنے زیر اقتدار صوبوں میں مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے ہیں ان کی تحقیقات کے سلسلے میں کانگرس نے سرمورس گائر (چیف جسٹس آف انڈیا) کی صدارت میں ایک جوڈیشل عدالت قائم کرنے کی پیش کش کی تھی۔ قائداعظمؒ نے بدلائل اس تجویز کو لغو قرار دیا اور اس پر آمادگی ظاہر کی کہ اس کے لئے ایک رائل کمیشن مقرر ہو۔ جس میں انگلستان کے ہائی کورٹ کے دو جج شامل ہوں۔ اور اس کی صدارت پریوی کونسل کا کوئی لارڈ کرے۔ لیگ کونسل میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے مجلس عاملہ کے اس مطالبہ کی بھی وضاحت کی۔ اور پھر فرمایا:

"عدالت ایسی ہی ہو سکتی ہے جو ملک کے زہریلے ماحول سے بالاتر ہو اور گواہوں کے بیانات اور حلف لینے اور ہر قسم کے وہ کاغذات طلب کرنے کے اختیارات سے مسلح ہو جن کی انصاف کرنے کے لئے ضرورت ہو۔ مگر کانگرس نے اس تجویز کا یہ کہہ کر مضحکہ اڑایا کہ ہم اپنے خانگی امور میں غیر ملک سے امداد طلب کر رہے ہیں۔ گویا سرمورس گائر جن کا نام کانگرس نے تجویز کیا ہے وہ بالکل سودیشی ہیں۔ اور واردھایا شیو گاؤں میں پیدا ہوئے ہیں"۔

منزل ہے کہاں تیری اے لالہ صحرائی :-

قائداعظمؒ نے لیگ کونسل میں اپنے اس خطاب کا اختتام ملت اسلامیہ کے واحد نمائندہ زعیم کے پروقار انداز سے کیا۔ اس میں دشمنوں کے لئے ایک زور دار انتباہ بھی تھا اور اپنوں کے لئے ایک موثر اور عمل برانداز اپیل بھی۔ انہوں نے خاتمہ کلام پر فرمایا:

"لوگ پوچھتے ہیں کہ ہمارا مطمع نظر کیا ہے؟ اگر تم اب بھی یہ نہیں سمجھے ہو کہ ہمارا مطمع نظر کیا ہے۔ تو تم کبھی نہیں سمجھو گے۔ یہ تمام مسئلہ بڑا سادہ ہے۔ برطانیہ عظمیٰ ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتی ہے۔ مسٹر گاندھی اور ان کی کانگرس بھی ہندوستان کے حکمران بننا چاہتے ہیں۔ ہمارا نصب العین یہ ہے کہ ہم نہ تو برطانیہ کو مسلمانوں پر حکومت کرنے دیں گے اور نہ مسٹر گاندھی اور کانگرس کو۔ ہم اپنے لئے آزادی اور خود مختاری کے طالب ہیں۔ میں مسلمانوں سے یہ کہتا ہوں کہ اس مقصد عظیم کے لئے اپنے آپ کو منظم کرو۔ اور مسلم لیگ کا یہ پیغام ہر مسلمان تک پہنچا دو"۔

قافلہ سالار نے تیاری کا بگل بجا دیا اور کاروان ملت ذوق سفر کے نئے ولولوں سے سرشار ہو کر سامان سفر باندھنے لگا۔ زندگی کی ایک عظیم ترین منزل اب اس کے قدم لینے کو آگے بڑھتی ہے۔ اس منزل مراد سے آزادی اور استقلال کی انقلاب آفرین کامرانیاں اور فائز المرانیاں وابستہ ہیں۔ اور ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس مقام پر کچھ دیر کے لئے رک جائیں۔ ہماری تاریخ کا یہ ایک انتہائی مبارک اور کامیاب سفر ہے اور قوموں کی زندگی میں ایسے انوکھے سفر جو خوش نصیبوں کے آئینہ دار اور سرمایہ نازش و افتخار ہوں بار بار درپیش نہیں ہوتے۔ ہم نے ان صفحات میں تحریک پاکستان کا پس منظر پیش کرتے ہوئے عظیم قافلہ سالار کے اس حسن تدبر کی تصویر پیش کی ہے جو اپنے کاروان شوق کو دشمنوں کی

یخار سے بچاتا اور کٹھن راہوں کے نشیب و فراز کو پئے استقلال سے روندتا اس حسین منزل کے آغاز تک لے آیا- بظاہر یہ تین سال کی مختصر مدت کا سفر تھا- لیکن اس تھوڑی سی مدت میں ہم جو راہ طے کر آئے وہ کالے کوسوں کی راہ تھی- آغاز سفر مایوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کے حصار میں تھا- صوبجاتی خود مختاری کے سائے میں ہمارے دشمن اقتدار سے مسلح ہو کر نہ صرف آگے بڑھ آئے تھے بلکہ ہمارے ذوق سفر کو شکست دینے کے لئے انہوں نے تابڑ توڑ حملے بھی شروع کر دیئے تھے- لیکن قافلہ سالار کی آواز بجلی کا وہ کڑکا بن کر فضائے سیاست میں مرتعش ہوئی جس نے حریفوں کے اوسان خطا کر دیئے- ان کی فتح مندیوں کی بساط الٹ کر رہ گئی- اور ان کے حربوں کو ناکام بنا دیا گیا-

یہ ہے ہمارا تین سال کا کامیاب سفر جسے کامرانیوں کے اعتبار سے ایک صدی کی منزل تک پھیلایا جا سکتا ہے- یہ ہے تحریک پاکستان کا وہ پس منظر جس کی پہنائیوں میں ہماری نشاۃ ثانیہ کی حیات آفریں داستانیں کروٹ لے رہی تھیں- اسی کا اتمام اب تحریک پاکستان کا حرف آغاز بنتا ہے- اسی اذان سحر سے آزادی و استقلال کی صبح بہار دامن شب سے مسکراتی ہوئی منظر عام پر آئے گی-

محمد علی جناحؒ ! ملت اسلامیہ کے قائداعظمؒ !!
تم پر ملت کا سلام ہو کہ تمہاری نادر روزگار قیادت نے اس چومکھی جنگ کو قابل رشک فراست اور بلند حوصلگی سے لڑا اور اپنی ملت عزیز کو نئے عزائم اور نئے ولولوں سے مسلح کر کے اس کا رخ آزادی اور استقلال کی منزل مقصود کی طرف پھیر دیا-

---

حقائق و عبر

نواں پوا ڑا

قرآن مجید میں ہے-

جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ تین مرتبہ ایام ماہواری آنے تک اپنے آپ کو روکے رکھیں- (2:228)

اور اس کی وضاحت یوں کر دی گئی کہ

تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں ان کے معاملے میں اگر کوئی شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے- (65:41)

ان واضح ہدایات کے علی الرغم تنظیم اہلحدیث بابت 6 اکتوبر 95ء میں حافظ ثنا اللہ مدنی تلمیذ محدث روپڑیؒ کا فتویٰ ملاحظہ ہو-

"واضح ہو کہ اگر کسی عارضہ کی وجہ سے تین ماہواریاں وقوع طلاق سے لیکر مکمل نہ ہو سکیں تو مزید انتظار کرنا ہو گا یہاں تک کہ تین کا عدد پورا ہو-"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت عیسیٰؑ کی انقلابی آواز

اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں مذہبی پیشوائیت کا اقتدار انتہا تک پہنچ چکا تھا۔ بنی اسرائیل کے احبار و رہبان نے ایک متوازی حکومت قائم کر رکھی تھی۔ جس میں انہیں ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے۔ صرف سزائے موت کے لئے انہیں رومی حکام کی منظوری لینی پڑتی تھی۔ حضرت عیسیٰؑ کی دعوت' مظلوم اور مقہور انسانیت کو ان کے اس پنجہ استبداد سے چھڑانے کے لئے تھی۔ یروشلم کا ہیکل' ان مذہبی پیشواؤں کا مرکز تھا۔ داعیٔ انقلاب آسمانی' حضرت عیسیٰؑ اسی ہیکل کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو جاتے اور انہیں للکار کر کہتے تھے کہ

اے ریا کار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ آسمان کی بادشاہت لوگوں پر بند کرتے ہو۔ کیونکہ نہ تو آپ داخل ہوتے ہو اور نہ ہی داخل ہونے والوں کو داخل ہونے دیتے ہو۔

اے ریا کار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ ایک مرید کرنے کے لئے خشکی اور تری کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دونا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو۔

اے ریا کار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی بھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر قسم کی نجاست سے بھری ہوئی ہیں۔ اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو' مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہوتے ہو۔

اے سانپو! اے افعی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے۔

(انجیل متی۔ باب نمبر 23)

ظاہر ہے کہ مذہبی اجارہ دار جو اپنی خدائی مسندیں بچھا کر' عوام کو لوٹتے اور ان پر حکومت کرتے تھے' اس انقلابی دعوت کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ وہ اسے' اپنی مفاد پرستیوں کے لئے کس طرح موت کا پیغام سمجھتے تھے' اس کا اندازہ ان کی اس چیخ اور پکار سے لگ سکتا ہے جسے انجیل برنباس میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ۔

تب ان لوگوں نے کاہنوں کے سردار کے ساتھ مشورہ کیا اور کہا کہ اگر یہ آدمی بادشاہ ہو گیا تو ہم کیا کریں گے۔ اس جیسے آدمی کی حکومت کے ماتحت ہمارا کیا انجام ہو گا۔ یقیناً ہم اور ہماری اولاد سب تباہ ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ ہم اپنی خدمت سے نکال دیئے جائیں گے تو ہم مجبور ہوں گے کہ اپنی روٹی عطیہ کے طور پر مانگیں۔ حالانکہ اس وقت خدا کا شکر ہے کہ ہمارا بادشاہ اور حاکم دونوں ہماری شریعت سے اجنبی ہیں اور ہماری شریعت کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ جیسے ہم ان کی شریعت کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور اس سبب سے ہم قدرت رکھتے ہیں کہ ہم جو

چاہیں کر لیں۔ اگر ہم نے غلطی کی تو ہمارا اللہ رحیم ہے اور قربانی اور روزے کے ساتھ اس کا راضی کر لینا ممکن ہے۔ لیکن اگر یہ آدمی بادشاہ ہو گیا تو ہرگز راضی نہ کیا جا سکے گا۔ جب تک خدا کی عبادت (اطاعت) ویسے ہی ہوتی نہ دیکھے جیسی موسیٰؑ نے لکھی ہے۔

(انجیل برنباس ص 142)

آپ نے غور فرمایا کہ اس آسمانی دعوت کی اس قدر شدید مخالفت کی وجہ کیا تھی؟----- بس وہی ایک وجہ ! یعنی اگر خدا کا قانون رائج ہو گیا تو ہم اپنی مسندوں سے الگ کر دیئے جائیں گے۔ اور چونکہ ہمیں کوئی کام کاج آتا نہیں' جس سے ہم اپنی روٹی کما سکیں' اس لئے ہمیں اپنی روٹی عطیہ کے طور پر مانگنی پڑے گی۔ آپ نے دیکھا کہ جسے مذہبی سوال کہہ کر پیش کیا جاتا ہے' وہ درحقیقت یکسر معاشی مسئلہ ہوتا ہے۔

انجیل برنباس کے اس بیان سے آپ نے یہ بھی دیکھا ہو گا کہ مذہبی پیشوائیت ہمیشہ اس انداز حکومت کو پسند کرتی ہے جسے آج کل کی اصطلاح میں سیکولر کہتے ہیں۔ یعنی امور مملکت' حکومت کے پاس رہیں اور امور شریعت (پرسنل لاز) مذہبی پیشوائیت کی تحویل میں دے دیئے جائیں۔ نہ مذہبی پیشوائیت حکومت کے معاملات میں دخل دے اور نہ ہی حکومت ان کے حیطہ اقتدار میں دخیل ہو۔

اور آخر میں اس عظیم و جلیل داعیِ انقلاب کو دیکھئے جس پر سلسلہ نبوت کا خاتمہ ہو گیا (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ حضورؐ کے ظہور قدسی کا مقصد ہی یہ بتایا گیا ہے کہ--- **وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ** (7/157)- وہ نوع انسان کو ان زنجیروں سے آزاد کر دے گا جن میں وہ جکڑے چلی آ رہی ہے اور ان کے سر سے وہ بوجھ اتار دے گا جس کے نیچے وہ بری طرح دبی اور کچلی ہوئی ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے حضورؐ نے بھی وہی دعوت پیش کی جو حضرت نوحؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک مسلسل و متواتر پیش ہوتی چلی آ رہی تھی۔ اور مترفین کے طبقہ کی طرف سے اس کا جواب بھی وہی ملا جو شروع سے ملتا چلا آ رہا تھا۔ یعنی **مَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ**- جو بات یہ شخص کہتا ہے' اسے ہم نے اسلاف کے مذہب میں کہیں نہیں سنا۔ لہٰذا **إِنْ هَٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ**(38/7)- یہ غلط' جھوٹی اور بنائی ہوئی بات ہے۔ یعنی اس کے غلط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے اسلاف میں سے کسی نے یہ بات نہیں کہی---- اس کے بعد اس طبقہ کی طرف سے جو کچھ نبی اکرمؐ اور حضورؐ کے رفقاء کے ساتھ ہوا' اس پر قرآن گواہ اور تاریخ کے اوراق شاہد ہیں۔

یاد دہانی --منی آرڈر کے کوپن پر اپنا مکمل ایڈریس ترجیحاً" انگریزی حروف میں لکھئے۔ خریداری نمبر لکھنا مزید بہتر ہو گا۔ ناظم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

ہماری معاشی بیماریوں کا علاج

میرا خیال ہے عنوان میں ہماری سے مراد ہم پاکستانی ہی ہیں ورنہ تو یہ عنوان سارے بنی نوع انسان پہ محیط ہو سکتا ہے' ویسے انصاف کی بات ہے کہ دنیا میں کہیں بھی انسان معاش کے معاملے میں مطمئن نظر نہیں آتا' مغرب کے وہ ممالک جنہیں ترقی یافتہ کہا جاتا ہے وہاں بھی Slum Areas موجود ہیں' وہاں بھی بیکاری ہے' وہاں بھی بھوک ہے' وہاں بھی غربت ہے اور ہم تو ویسے ہی تیسری دنیا کی اقوام میں سے ہیں جو ترقی یافتہ اقوام کے باسود قرض یا بھیک (جسے وہ امداد کہتے ہیں) پر گزارہ چلا رہے ہیں اور یہ قرض ہے کہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے' اب تو اس کا سود بھی اتنا زیادہ ہو گیا ہے کہ ہمارے بجٹ کا ایک بڑا حصہ اسی پہ اٹھ جاتا ہے' پھر جب ہم اپنی مالی مشکلات کا رونا روتے ہیں تو یہ ممالک اپنی ایجنسیوں کے ذریعے مزید قرض دینے سے پہلے وہ طریقے بھی سجھاتے اور سمجھاتے ہیں بلکہ Dictate کرتے ہیں جن کے ذریعے ریونیو بڑھا کر سود واپس کیا جا سکے جس کا نتیجہ مختلف ٹیکسوں میں اضافے اور ضروریات زندگی--- گیس' بجلی' پٹرول حتیٰ کہ اشیائے خورد و نوش کی مہنگائی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

اول تو دوسروں کے دیئے ہوئے پہ گزارہ ہی جہنم کی زندگی ہے' اس پہ یہ مشورے اور مداخلتیں ہماری آزادی پہ ایک تلخ تبصرہ ہے' جو دوسروں کے بھیک پہ گھر چلا رہا ہو وہ آزاد کہاں ہوتا ہے-----

اور یہ بات آج نہیں مدتوں سے یونہی چلی آرہی ہے' آج سے چالیس پینتالیس سال پہلے بھی کراچی میں اونٹوں کے گلے میں "تھینک یو امریکہ" کی تختیاں لٹکتی دیکھی گئیں جب امریکہ نے ہمیں اپنی بچی کھچی گندم سمندر میں پھینکنے کی بجائے دان کی تھی۔

یہ بیرونی امداد بظاہر ترقیاتی کاموں کے لئے دی جاتی ہے' اس میں سے بہت سا روپیہ امداد کے ساتھ آئے مشیروں کی تنخواہوں اور سہولتوں پر خرچ ہو جاتا ہے اور باقی میں سے بیشتر بیوروکریسی اور سیاستدانوں کی عیش کوشیوں کی نذر ہو جاتا ہے۔

کچھ مختسبوں کی خلوت میں' کچھ زاہد کے گھر جاتی ہے
ہم بادہ کشوں کے حصے کی اب جام میں کم تر جاتی ہے

عوام تک اس کا اثر کیا پہنچتا افسروں اور سیاستدانوں میں کینسر کی طرح پھیلی ہوئی کرپشن کی جڑوں کا سراغ اس ایڈ میں ڈھونڈا جا سکتا ہے۔

امداد کے باوجود ملک میں غریب غریب تر اور امیر امیر تر ہوتا جا رہا ہے' طبقات میں تفاوت بڑھتی جا رہی ہے' محنت' محنت کش کرتا ہے دولت زمیندار اور کارخانہ دار کے ہاں جمع ہوتی جاتی ہے محنت کرنے والا محنت کے باوجود ہاتھ پھیلائے آسمان کی طرف دیکھتا ہے'

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تنگ بہت بندۂ مزدور کے اوقات
سرمایہ دار اس کی محنت کا معاوضہ اس کے ہاتھ پہ

یوں رکھتا ہے۔

دست دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات

صدیوں صدیوں انسانی تاریخ یہی بتا رہی ہے کہ انسان استبداد اور ظلم کا شکار چلا آرہا ہے۔

تاریخ میں اگر کبھی ایسا ہوا بھی کہ لوگ ظلم کے خلاف اٹھے اور میدان ان کے ہاتھ رہا تو بہت جلد انہی میں سے کچھ ہشیار لوگ انہی کے ہمدرد بن کر ان کے حاکم بن بیٹھے' ایک مستبد گروہ کی جگہ دوسرا مستبد گروہ' ایک ظالم حاکم کی جگہ دوسرا سریر آرائے سلطنت ہو گیا' فرانس کے انقلاب نے Equality, Fraternity, Liberty کا نعرہ دیا مگر بات صرف نعرے تک رہی' خواجہ بلند بام ہی رہا اور بندہ کوچہ گرد کا کوچہ گرد----- دراصل ان مستبد حاکموں نے پیہم و مسلسل مراعات کے بل بوتے پر ایک مراعات یافتہ طبقہ کا حصار اپنے گرد بن رکھا ہوتا ہے اور پھر انہیں اپنے ہی پروردہ مذہبی طبقوں کی آشیرباد بھی حاصل رہتی ہے----

حکمران ان کے گرد تقدس کا ہالہ بنتے ہیں اور یہ اس کے بدلے میں حکمرانوں کو خدائی اختیارات کا حامل ہونے کی سند دیتے ہیں' جب تک راج گرو مہاراج کے ماتھے پہ تلک نہ لگائے وہ راج سنگھاسن پر براجمان نہیں ہو سکتا' چرچ نے انگریز حاکموں کو خدائی اختیارات Divine rights of Kings عطا کر رکھے تھے---- ہمارے دور ملوکیت کے مذہب نے بھی مطلق العنان حاکموں کو ظل اللہ فی الارض کا درجہ دے رکھا تھا۔ اسی لئے روس کے اشتراکی انقلاب نے حکمران طبقوں کے ساتھ ہی ساتھ مذہب سے بھی بغاوت کا اعلان کر دیا اور مساوات پر مبنی محنت کشوں کا معاشرہ اور حکومت قائم کرنے کا دعویٰ کیا------ مگر مساوات شکم پر استوار یہ معاشرہ ایک صدی بھی نہ چل سکا اور ہماری آنکھوں کے سامنے ریت کے گھروندے کی طرح زمین بوس ہو گیا۔

مغرب نے خوشی کے شادیانے بجائے کہ کمیونزم ناکام ہو گیا' مسلمانوں نے بھی مسرت کا اظہار کیا کہ اس پر لادینی نظام ہونے کی مہر تھی--- حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام بھی مادیت ہی پہ یقین رکھتا ہے' مذہب کو اس نے چرچ کی چار دیواری میں بند کر رکھا ہے مغرب نے اسے جبر کا نظام ہونے کا طعنہ دیا' اس کی ناکامی کی وجہ اس کے (ورکرز) محنت کشوں میں کسی جذبہ محرکہ کے نہ ہونے کو قرار دیا' سرمایہ دارانہ نظام میں زیادہ کمانے اور اس کمائی کے بل پر زیادہ پر آسائش زندگی گزارنے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ ایسا جذبہ محرکہ ہے جو بہرحال ایک فرد کی تسکین کا موجب ہو سکتا ہے۔ مختلف لوگوں میں کمانے کی مختلف استعداد' انسانوں کی صلاحیتوں میں فرق کو بنیاد بناتے ہوئے یہ نظام ان صلاحیتوں کے بل پر کمائی دولت کو افراد کا حق قرار دیتا ہے اور اس میں (سوائے ریاست کے عائد کردہ ٹیکس کے) کسی کی دخل اندازی کو انسانی حقوق میں مداخلت کا نام دیتا ہے-----

ہمارے ہاں بھی روایتی مذہب کے علمبردار طبقے نے صلاحیتوں کے بل بوتے پر انفرادی دولت اور جائداد کو تقدس کا درجہ دے رکھا ہے' ہمارے آج کے دور کے عالمی سطح پر تشہیر کردہ علماء اپنی تحریروں میں بے حد و حساب زمین اور جائداد کے جواز میں

دلائل دیتے ہیں اور دور ملوکیت کی قبھوں پر پلنے والے ان علما کے تقدیر کے فلسفے نے تو اونچ نیچ' امارت و غربت' شکم سیری و محرومی کا خدائی جواز مہیا کر کے کسی بھی قسم کی عوامی جدوجہد کا رستہ ہی روک دیا۔

تو بات ٹھہری صلاحیتوں اور استعداد کے فرق' ذرائع پیداوار پہ تصرف اور کام کرنے کے لئے کسی جذبہ محرکہ کی موجودگی کی' پہلے ہم ذرائع پیداوار پہ تصرف کا جائزہ لیتے ہیں' سب سے اہم مسئلہ زمین کی ملکیت کا ہے کیونکہ یہ رزق کا سرچشمہ ہے' ہر صاحب اقتدار نے اسی پر قبضہ کے بل پر لوگوں کو غلام بنایا ہے' فرعون نے جب انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ لگایا تو تائید میں کہا' بتاؤ کہ یہ ملک مصر اس کی زمینیں اور نہریں کس کی ملکیت ہیں؟ آج بھی سب فراعین کا یہی دعویٰ ہے' یہ زمین پر قابض افراد ہوں یا اشتراکی ریاست۔

صرف ایک ہی مقام ہے جہاں اس کی نفی ملتی ہے اور وہ مقام ہے کتاب اللہ' اس میں خود خالق کائنات اسے ارض اللہ ____ اللہ کی زمین کہ کر پکارتا ہے۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ زمین انسان کی تخلیق سے پہلے موجود تھی۔ یہ حقیقت ہے تو پھر یہ انسان کی ملکیت کیسے ہو سکتی ہے۔

اور اس کے اندر رزق پیدا کرنے کی صلاحیتیں کیا انسان کی ودیعت کردہ ہیں؟ انسان تو تھوڑی سی محنت کرتا' ہل چلا کر بیج دبا دیتا ہے' اس بیج سے فصل کون اگاتا ہے' اس فصل کی حفاظت کون کرتا ہے' وقت پر بارش' حرارت' سورج کا طلوع' موسموں کا تغیر و تبدل کس کے اختیار میں ہے--- یہ سب باتیں سورہ واقعہ کی آیات 63 سے 74 تک کافی تفصیل سے بیان کی گئی ہیں' علامہ اقبالؒ نے ان باتوں کو اپنے دلکش پیرائے میں یوں بیان کیا ہے۔

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب
کون لایا کھینچ کر پچھم سے باد ساز گار
خاک یہ کس کی ہے' کس کا ہے یہ نور آفتاب
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشہ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب
وہ خدا یہ زمیں میری نہیں تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں' تیری نہیں' میری نہیں

سورہ واقعہ میں بیان حقیقت کے بعد انسان سے کہا غور کرو اس پروگرام میں تمہارا حصہ کتنا ہے اور نظام خداوندی کا کس قدر اس میں تمہارا حصہ بقدر تمہاری محنت کے ہو سکتا ہے' تم اپنی محنت کا معاوضہ بقدر اپنے سامان پرورش کے رکھ لو اور ہمارا حصہ ہمیں دے دو۔

سوال پیدا ہوا آپ کا حصہ آپ کو کیسے پہنچائیں--- کہا گیا یہ متاعا" للمقوین ہے' ضرورتمندوں کو پہنچا دو' ہم تک پہنچ گیا۔

لیس للانسان الا ماسعیٰ اور **یسئلونک ماذا ینفقون** کے درمیان کیسا قریبی تعلق قائم ہوتا نظر آتا ہے۔

کھیتی کے علاوہ زمین میں چھپے' معدنیات' گیس' تیل اور دوسرے خزانوں کا قصہ بھی اس سے مختلف نہیں' وہ نہ ان کو پیدا کرنے پہ قادر تھا' نہ محفوظ رکھنے میں اس کا کوئی ہاتھ تھا' اپنے علم کے زور پہ وہ اس قابل ہوا کہ ان سے فائدہ اٹھا سکے اور یہ علم بھی اسے کسی اور نے نہیں خدا نے سکھایا۔

اب رہیں صلاحیتیں اور استعداد تو سرمایہ

داروں نے اس کا کریڈٹ خود لینا چاہا' قارون سے جب سوال کیا گیا تھا تو اس نے جواب دیا تھا **اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ** (28/78)- یہ میرے کسب و ہنر مندی کا نتیجہ ہے جو قارون نے کیا تھا وہی آج کا سرمایہ دار کہہ رہا ہے-

کبھی کسی نے سوچا کیا یہ انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ خود فیصلہ کرے کہ میں یہ صلاحیتیں لیکر دنیا میں آؤں گا' کیا اسے اپنے پیدا ہونے پر اختیار ہے' اللہ تعالیٰ نے اسے بتایا کل تک تو تم کوئی قابل ذکر شے ہی نہ تھے ہم نے تمہیں زندگی دی' اس نے تو یہاں تک کہا کہ ہم نے تمہیں بولنا سکھایا' ہم نے تمہیں اس قابل بنایا کہ تم لکھ سکو تم علم حاصل کر سکو-

مگر حاصل محنت دوسروں کو دینے کا جگر کہاں سے آوے' اس کا جذبہ محرکہ کیسے ملے' انسان کہتا ہے استعداد جیسے بھی مل گئی' علم جیسے بھی حاصل ہوا ماحصل اس کا حق ہے------ وہ اپنی محنت کی کمائی دوسروں کو کیوں دے' اگر یہ کمائی دوسروں ہی کو دینی ہے تو وہ خود کو محنت کی بھٹی میں کیوں ڈالے' کیوں نہ زندگی آرام سے گزارے' کم محنت کرے------ یہ بات مادیت پہ یقین رکھنے والے دونوں گروہوں کی سمجھ سے باہر ہے--

لینن کو داد دینی پڑتی ہے کہ اس نے اعتراف کیا "نوع انسانی کن مراحل سے گزر کر اور کن عملی اقدامات کی رو سے اس بلند مقصد کو حاصل کر سکے گی اس کی بابت ہم نہ کچھ جانتے ہیں نہ جان سکتے ہیں یہ اس لئے کہ ہمارے پاس کوئی ایسا مواد نہیں جس سے ان سوالات کا جواب دیا جا سکے"-

اور برزرنیف نے 67 یا 68 کی عالمی کمیونسٹ کانفرنس میں تسلیم کیا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اپنی نئی نسل کو جس نے استحصال نہیں دیکھا کیا کہہ کر کام پہ اکسائیں"

یہی عجز ان کے پاؤں کی زنجیر بن گئی' یہی اس کے زوال کا باعث ہوئی

دیکھا جائے تو ناکامی اس کے ضمیر میں تھی- پاکستان کا تصور دینے والے کے دیدۂ بینا نے بہت پہلے اس طرف اشارہ کر دیا تھا کہ تمہارا نظام نفی پر مبنی ہے' ہر شے کی نفی' لا سلاطین' لا کلیسا' لا الہ---- حالانکہ زندگی کے تقاضے اور ہیں-

درمیان لا ناساید حیات ' سوئے الا می خرامد کائنات

اسے معلوم تھا موت اس کا مقدر ہے--- نفی بے اثبات مرگ امتاں

اس نے اسی وقت اسے خبردار کر دیا تھا'

اے کہ می خواہی نظام عالمے جستہ ای اورا اساس محکمے

مساوات پر مبنی اس نظام کو اساس وحی خداوندی کے علاوہ اور کہیں نہ مل سکتی تھی' مادیت پر مبنی کوئی فلسفہ اس کی تشنگی کم نہیں کر سکتا' کاش اسے کوئی اس تصور حیات سے متعارف کرا دیتا جو قرآن پاک دیتا ہے قرآن کے مطابق زندگی اسی دنیا کی زندگی نہیں' موت اس کا انجام نہیں' زندگی ایک جوئے رواں ہے' اس دنیا کی طبعی عمر ختم ہونے پر یہ جوئے رواں بس ایک موڑ کاٹ کر نظروں سے اوجھل ہو کر نئی منزلوں کا رخ کر لیتی ہے' رکتی نہیں' انسان حیوان سے اعلیٰ تر مخلوق ہے جسے اختیار اور ارادہ دیا گیا ہے' اس کی اپنی ایک انفرادیت ہے' اپنی ایک ذات ہے' خودی ہے جو ایک مکمل اور منفرد شے ہے-

اس کا جسم ان چیزوں سے پرورش پاتا ہے جو یہ کام میں لاتا ہے اس کی ذات کی پرورش ان چیزوں سے ہوتی ہے جو وہ احکام خداوندی کی بجا آوری میں دوسروں کی پرورش کے لئے دیتا ہے-- انہیں وہ اعمال صالحہ کہتا ہے' موت سے یہ جسم یہاں رہ جاتا ہے' ذات آگے بڑھ جاتی ہے' جس حد تک کسی نے اس ذات کی پرورش کی ہو گی اسے بنایا سنوارا ہو گا اسی کے مطابق اسی اگلی زندگی میں درجات ملیں گے' ان حقیقتوں پر دل کی گہرائیوں سے یقین رکھنے کو ایمان (Conviction) کہتے ہیں اور ایسا ایمان رکھنے والے کو ہی تو مومن کہا جاتا ہے اور جو وقت پڑنے پر کسی قدر خداوندی کی پاسداری میں مال تو کیا جان کا نذرانہ پیش کر دیتا ہے وہ گویا زندگی کے تسلسل پر اپنے ایمان کی گواہی دیتا ہے' ایسی گواہی ایسی شہادت دینے والے کو اسی لئے تو شہید کہتے ہیں----

ایسی اقدار پر مبنی معاشرے کے افراد جن کی تعلیم و تربیت ان خطوط پر ہو چکی ہو' انہی سے امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں اور استعداد کو نعمائے خداوندی سمجھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ محنت سے کام کر کے حاصل محنت سے بقدر ضرورت لیکر باقی ماندہ ان لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ان کے سپرد کر دیں جن کو وہ یہ فریضہ سونپ دیں-

ٹیکس گزاروں اور ٹیکس چوروں کی سوسائٹیوں میں کون اپنی محنت کی کمائی ارباب اختیار کے سپرد کر دے اور خود بے سہارا ہو جائے- مگر ان کے خیال میں آج کے ارباب حکومت ہیں مگر جس معاشرے کی میں بات کر رہا ہوں اس کے ارباب اختیار خود کو اپنی مملکت میں بسنے والے ہر جاندار کی ضروریات کے ذمہ دار سمجھیں گے- فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مر جائے تو عمر سے اس کی بھی باز پرس ہو گی' اسی احساس نے کہلوایا تھا- ایسے ارباب اختیار کی دیانتداری پہ کوئی انگلی تو کیا اٹھائے گا آنکھ بھی نہ اٹھا سکے گا- یہی لوگ قرآنی مملکت کی یہ ذمہ داری اٹھا سکیں گے جو یہ دعویٰ رکھتی ہے- (**نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ**)--- کہ ہم تمہارے رزق کے بھی ذمہ دار ہیں اور تمہاری اولاد کے رزق کے بھی-

ایسی ریاست کے ریوینیو کا آپ تصور تو کریں جہاں ہر شخص اپنے کل سے بے نیاز ہو کر اپنی مضمر صلاحیتوں کی دریافت اور تعمیر میں منہمک ہو' ایسے آزاد معاشرے کو تصور میں لائیے' ایسے بے خوف اور آزاد معاشرے کو جس میں کسی کے رستے میں اپنی صلاحیتوں کے مطابق اپنا مقام حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو گی' ایسے میں کیوں نہ ملک کے گوشے گوشے سے نابغہ روزگار شخصیتیں ابھر کر سامنے آئیں گی- ایسا ملک کیوں نہ بڑے بڑے سائنس دانوں' فلسفیوں' معالجوں' انجینئروں' شاعروں' فنکاروں اور مصوروں کی آماجگاہ ہو گا جو اپنے اپنے دائرے کار میں ہمہ وقت انسانیت کی بھلائی کو مدنظر رکھتے ہوئے مصرف عمل ہونگے----

ان سب لوگوں کے اذہان اور کروڑوں ہاتھوں کی محنت کے بل پر قائم ایسی ریاست کی ہمسری کون کر سکے گا' جو امت یوں پروان چڑھے گی کون اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکے گا' اس وقت یہ راز کھلے گا-

کوئی کب اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

حصول پاکستان کا مقصد ایسے ہی معاشرے کی تشکیل تھا--- آپ نے کبھی اللہ تعالیٰ کی اس حکمت پہ بھی غور کیا کہ یہ ملک تاریخ کے کس موڑ پہ دنیا کے نقشے پہ ابھرا' جنگ عظیم دوم کے بعد ہارا ہوا گروہ تو نڈھال تھا جیتنے والوں کا حال بھی کچھ بہتر نہیں تھا' ایسے میں نئے معاشرے کو ابھرنے سے کوئی نہ روک سکتا تھا' اللہ نے ہماری تعمیر و ترقی کے لئے ساری راہیں کشادہ کر رکھی تھیں مگر ہم الاٹمنٹوں کے چکر میں ایسے الجھے' مال غنیمت' پکی پکائی کے ایسے خوگر ہوئے کہ لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ------ ورنہ اب جبکہ کمیونزم کا محل ریت کا گھروندا بن گیا اور نظام سرمایہ داری کے ہاتھوں ایک عالم تنگ ہے یہ خطہ زمین روشنی کا ایسا مینار ہوتا کہ دنیا کے ساری دکھی لوگ' کمیونزم سے دل برداشتہ اور نظام سرمایہ داری سے مایوس--- سبھی اس کی طرف رہنمائی حاصل کرنے کے لئے کشاں کشاں کھنچے چلے آتے' لوگ جوق در جوق اور فوج در فوج اس حصار میں داخل ہونے کو باعث سعادت سمجھتے اور یہ دور' **رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا** کی تفسیر بن جاتا۔

ہم نے وقت گنوا دیا' اب ایک سپریم پاور جسے کسی کا خوف نہیں دنیا میں اپنی اجارہ داری قائم کرنے پر تلی ہے' اپنی اقدار اپنا کلچر' اپنی سوچ کو ازبسہ اولیٰ کہہ کر نافذ کرنے پر تلی ہوئی ہے اور ہم سے دست نگر اس کے رحم و کرم پہ ہیں' مصحفی یار کے در پر کتنے ہم سے نگھرے بیٹھے ہیں۔

مگر عجیب بات ہے کہ علامہ اقبالؒ کی نظم ابلیس کی مجلس شوریٰ کے ابلیس کی طرح' آج کل کا بقول امام خمینی شیطان کبیر اس ملت کی بیداری سے خوفزدہ ہے' وہ اپنے سارے ساتھیوں کو اقبالؒ کے ابلیس کے لفظوں میں کہہ رہا ہے' مزدکیت فتنہ فردا نہیں اسلام ہے اور وہ اس خطرے سے نمٹنے کے طریقے ڈھونڈ رہا ہے----- پس چہ باید کرد؟ اس کا علاج؟ علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے' Discipline Unity, Faith, کا جو نعرہ قائدؒ نے مسلمانان ہند کو دیا تھا اسے عالم اسلام پہ پھیلا دیا جائے اور اپنی محدود سطح پر پھر سے ایک عزم لیکر میدان میں نکلیں کہ اپنے چھوٹے سے ملک کو جسے اللہ نے بے پناہ وسائل دے رکھے ہیں قرآنی نظام کا گہوارہ بنا کر رہیں گے' اس کے لئے سب سے پہلے اپنے نوجوان طبقے کی تعلیم و تربیت کا انتظام کریں انہیں ان کی منزل کی نشان دہی کریں' منزل کے بغیر سفر آوارہ گردی ہے۔ قرآن کا پیغام گھر گھر پہنچائیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہم مغرب کی ثقافتی یلغار کے ریلے کی زد میں ہیں اندرونی محاذ پہ ہم جاگیرداری نظام میں گھرے ہوئے ہیں مگر ایک آخری کوشش کے طور پر ہمیں یہ پیغام ہر ایک تک پہنچانا ہو گا' قرآن خالص کا پیغام جو بقول اقبالؒ

موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لئے
معاشی غلامی سے نجات کا راستہ عام آدمی سے لیکر ہر بڑے جاگیردار تک واضح کر دیں ان پہ واضح کر دیں کہ ان کی نجات بھی اس خطہ زمین کے ساتھ وابستہ ہے ورنہ یہ جاگیریں بلاخر ہنود و یہود کے ہاتھوں معدوم ہو جائیں گی اور پھر

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

دوسری صورت میں اگر اپنے عوام کا ساتھ دے کر یہاں معاشی انصاف کی راہ صاف کرنے میں مدد دیں تو تاریخ میں ان کا نام زندہ و سلامت رہے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علی محمد چدھڑ

طلوع اسلام کنونشن ۱۹۹۵ء

اساسِ پاکستان خطرے میں

الا ماس کے معنی ہیں عمارت کی بنیاد جہاں سے تعمیر شروع ہوتی ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں۔ کسی چیز کا اپنی جگہ پر ثابت اور قائم ہونا۔ (لغات القرآن ص 227) ظاہر ہے جتنی بنیاد پختہ ہو گی اتنی ہی عمارت مضبوط اور پائیدار ہو گی۔ اگر اسے کسی نظریہ یا نظام کیلئے استعمال کیا جائے تو بھی بات وہی ہے۔ جس قدر کوئی نظریہ ثابت اور قائم ہو گا۔ اسی قدر اس پر مبنی نظام مستحکم ہو گا۔

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں مملکت پاکستان کی اساس "دو قومی نظریہ" ہے جسے نہ تو تحریک پاکستان کے دوران وضع کیا گیا تھا اور نہ ہی یہ ہماری ہنگامی یا سیاسی مصلحتوں کی پیداوار ہے۔ دراصل یہ قرآن کا پیش کردہ ایک ابدی اصول ہے۔ جو اسلام کی غائت اور دین کا اصل مقصد ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن نے دو قومی نظریہ کو دین کے اصل الاصول کے طور پر سورہ التغابن کی آیت نمبر 2 میں محفوظ کر لیا ہے۔ فرمایا "وہی ہے' جس نے تم سب کو پیدا کیا۔ پھر کوئی تم میں کافر ہے اور کوئی مومن" (64/2) گویا قرآن کریم کی رو سے تفریق انسانیت کا یہی معیار ہے۔ جس کے مطابق دنیا میں دو ہی قومیں بستی ہیں مومن اور کافر۔

جب وحی کی تکمیل ہو گئی تو اس کے مطابق دنیا میں نبی اکرمؐ کے ہاتھوں ایک ایسی قوم کی تشکیل ہوئی جو کسی وطن کے بجائے دین کی بنا پر امت مسلمہ کہلائی اور ساری دنیا پر روز روشن کی طرح واضح کر دیا کہ قومیت کا معیار اشتراک دین ہے نہ کہ اشتراک وطن۔ اس معیار کے مطابق حبش کا بلالؓ۔ فارس کا سلمانؓ اور روم کا حبیبؓ' محمدؐ عربی کی 'اپنی قوم' کے افراد بن گئے۔ اور مکہ کا ابوجہل اور حقیقی چچا ابو لہب۔ غیر قوم کے افراد۔ قومیت کی اس تقسیم کا عملی مظاہرہ بدر کے میدان میں ساری دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

سورہ الفرقان میں آیا ہے کہ "رسول کہے گا کہ اے میرے رب! یہی ہے میری وہ قوم جس نے اس قرآن کو مہجور بنا رکھا تھا" (25/30)۔ یہاں قوم سے مراد عرب قوم نہیں ہے۔ بلکہ حضورؐ نے تمام وطنی۔ لسانی۔ قبائلی اور نسلی معیاروں کو باطل قرار دیکر صرف دین کے اشتراک کی بنا پر روئے زمین کے تمام مسلمانوں کو اپنی قوم کے نام سے موسوم کیا ہے۔ حجتہ الوداع کے خطبہ میں اس نظریہ کی مزید وضاحت یوں فرما دی کہ "عہد جاہلیہ کے تمام' باطل نظریے میرے پاؤں تلے ہیں۔ تم سب ایک امت ہو۔ تمہارا رب ایک ہے۔ اصل کے اعتبار سے تم سب ایک ہو۔ اس لئے کالے کو گورے پر یا گورے کو کالے پر۔ عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر کسی قسم کی کوئی فضیلت نہیں بجز تقویٰ کے۔ حضورؐ سے قبل بھی تمام انبیاء کرام نے وحی پر مبنی معیار قومیت کو نہ صرف نظری طور پر پیش کیا بلکہ اپنی زندگی میں اسپر

عمل پیرا ہو کر بھی دکھا دیا۔ سلسلہ وحی کا آغاز حضرت نوحؑ سے ہوتا ہے۔ جب حضرت نوحؑ نے نسلی رشتہ کی بنیاد پر کہا کہ ان کا بیٹا ان کے اہل میں سے ہے۔ تو خدا نے یہ کہہ کر ان کی غلط فہمی کو دور کر دیا کہ وہ تیرے اہل میں سے نہیں۔ حضرت ابراہیم کے والد نے جب ان کے نظریہ حیات سے انکار کیا۔ تو آپ نے نہ صرف باپ بلکہ ساری قوم سے قطع تعلق کر لیا اور صاف کہہ دیا کہ میں تم سے ہر رشتے کا انکار اور بیزاری کا اعلان کرتا ہوں "جو شخص میرے پیچھے چلتا ہے (وہ کسی قبیلہ کا فرد اور کسی وطن کا باشندہ ہو وہ میرے اپنوں میں سے ہے۔ اور میرے اپنے جو کسی دوسری رہ پر چلتے ہیں۔ وہ میرے لئے غیر ہیں"۔ مطلب یہ ہے کہ دین میں کسی وطنی یا قبائلی قومیت کا کوئی تصور نہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر آچکا ہے۔ کہ امت مسلمہ کو حضورؐ کی نسبت سے ہی قوم رسول ہاشمی کہا گیا ہے۔ اسی طرح گذشتہ اقوام کو قران نے قوم نوحؑ۔ قوم ابراہیمؑ اور قوم لوطؑ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ سوچنے والی بات ہے کہ آخر انہیں اپنے پیغمبروں سے نسبت دینے میں کیا مصلحت تھی۔ بات صاف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو اس طرح کی تنگناؤں میں محدود نہیں کرنا چاہتا۔ "یہی تھا وہ معیار جس کے مطابق حضرت نوحؑ کی بیوی کے متعلق کہہ دیا گیا کہ وہ بھی اپنوں میں سے نہیں' بلکہ غیروں میں سے تھی اس لئے اس کا حشر انہی کیساتھ ہوا۔ اس کے برعکس فرعون کی بیوی کی مثال سامنے رکھیں جو دعا مانگا کرتی تھی کہ اے میرے رب! تو اپنی طرف سے میرے لئے جنت میں گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے غلط اعمال سے نجات دے۔ تیسری مثال عمران کی بیٹی مریم کی ہے۔ جس نے اس گھناؤنے ماحول میں اپنی عصمت کو محفوظ رکھا اور خانقاہیت کی خود تراشیدہ شریعت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے عائلی زندگی اختیار کی" (66/10-12)

ان مثالوں سے ظاہر ہے۔ کہ رشتہ داری اور وطن کی بندھنیں یا ماحول کے اثرات' ایمان کے اشتراک کے مقابلے میں باطل ہیں اور اس کے راستے میں روک بن کر کھڑے نہیں ہو سکتے۔

سامعین محترم! یہ تھا دو قومی نظریہ کا مختصر سا تعارف قرآن کریم کی روشنی میں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس معاملہ میں اسلامی نظام کے مدعی اور قرآن و سنت کے شیدائی جو اٹھتے بیٹھتے دو قومی نظریہ کی نظری اور عملی مخالفت کا ورد کرتے ہیں۔ کہاں تک حق بجانب ہیں۔ انہیں شائد پتہ نہ ہو کہ دراصل دین اسلام آیا ہی اس لئے تھا کہ دو قومی نظریہ کے مقاصد پورے ہوں یعنی تمام روئے زمین کے مسلمانوں پر مشتمل امت واحدہ کی تشکیل ہو۔ خدا کے متعلق ایک ہی قرآنی تصور۔ ایک ہی ضابطہ حیات۔ ایک ہی منزل اور ایک ہی سالار کارواں۔ ہمارے مذہبی پیشواؤں کی مشکل یہ ہے کہ اگر وہ دو قومی نظریہ تسلیم کر لیں تو ان کے مذہبی فرقے۔ خود ساختہ قوانین حتیٰ کہ ان کی پیشوائیت سب ختم ہو جاتے ہیں۔ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ ان قرآنی احکام و اصول پر اپنی انا اور مفاد کو قربان کر دیتے اور خلافت علیٰ منہاج نبوت کے لئے کام کرتے۔ لیکن انہوں نے اپنے آقاؤں کے فرمودات کو ہی سند بنا لیا اور یوں شرک اور تفرقہ کے ناقابل معافی جرائم کے مرتکب ہو گئے۔ تفرقہ خواہ مذہبی پیشواؤں کے نام پر ہو۔ خواہ سیاسی راہنماؤں کے نام پر۔ وطنیت کے نام پر ہو۔ رنگ نسل اور خون کے نام پر ہو۔ بہرحال

جرم عظیم اور ملی گناہ ہے۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آج پاکستان کی اساس کو جس سب سے بڑے خطرے کا سامنا ہے' وہ مذہبی پیشوائیت ہے۔ متعدد مذہبی فرقوں اور جماعتوں میں منقسم' ملک کی پیشوائیت اپنے ہزار اختلاف کے باوجود دینی نظریات کی اندھی مخالفت میں بہرحال اکٹھی ہے اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے حل کیلئے فی الحال کوئی صورت سامنے نہیں آئی۔

میرے عزیز دوستو اور بھائیو ! ہم اپنے مخالف عناصر پر کیا الزام دھریں جب ہمارے اپنے ملکی آئین میں یہ شق رکھ دی گئی ہے۔ کہ پاکستان کی حدود میں بسنے والے تمام باشندے مسلم اور غیر مسلم ایک قوم کے افراد ہیں۔ یہ چیز نہ صرف یہ کہ اسلام کے بنیادی اصول کے منافی ہے بلکہ اس دعوے کے بھی خلاف ہے جس کی بناء پر ہم نے ایک الگ مملکت حاصل کی تھی۔ اس سے ہم نے وطنیت کو معیار قومیت قرار دے دیا اور اس طرح پاکستان کی وجہ جواز کی خود ہی نفی کر دی۔

ہم نے پاکستان کیوں مانگا تھا۔ اس سوال کو فی الحال رہنے دیں۔ ہمارے پیش نظر اس وقت سوال یہ ہے کہ ملک کے سیاست دان۔ کالم نویس۔ اور ادیب حضرات پاکستان کے متعلق کیا سوچتے ہیں۔ جناب محمد اسلام میر' ایک مشہور سیاسی مقالہ نویس ہیں۔ ان کا ایک مضمون دو قومی نظریہ۔ اسلام اور جمہوریت کے عنوان سے کچھ عرصہ ہوا روزنامہ جنگ میں شائع ہوا تھا۔ جس میں انہوں نے بیشتر تاریخ دانوں اور اہل قلم حضرات پر دو قومی نظریہ کو اپنے ذاتی اور گروہی مفادات کیلئے استعمال کرنے کا الزام عائد کیا تھا۔ مضمون تو لمبا چوڑا ہے میں یہاں ان کے چیدہ چیدہ نکات پر ہی اکتفا کروں گا۔

1- پاکستان کے قیام کی بنیاد۔ دو قومی نظریہ نے نہیں۔ بلکہ جمہوریت ہی نے رکھی۔

2- یہ دلیل کہ دو قومی نظریہ نفاذ اسلام کی بنیاد ہے۔ اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتی۔

3- مذہبی تفریق پر قائم ہونے والا دو قومی نظریہ وقت کی سیاسی ضرورت پوری ہونے کے بعد اپنی افادیت کھو بیٹھا ہے اور قابل عمل نہیں رہا۔

4- آج بعض حضرات نفاذ اسلام کو اپنے مفاد کے حصول کی خاطر دو قومی نظریہ کیساتھ نتھی کر رہے ہیں۔

5- دو قومی نظریہ قومیت کے کسی معیار پر پورا نہیں اترتا۔

6- 11 اگست 1947ء کو قائداعظمؒ نے پاکستان کو ایک اسلامی اسٹیٹ کی بجائے سیکولر اسٹیٹ بنانے کا فیصلہ کر دیا تھا۔

1968ء میں کراچی کی ایک عوامی ادبی انجمن کی طرف سے ایک پمفلٹ شائع ہوا تھا۔ جس پر دیگر 'دانشوران قوم' کے علاوہ جوش ملیح آبادی اور فیض احمد فیض کے بھی دستخط تھے۔ پمفلٹ میں کہا گیا تھا کہ "ہم چاہتے ہیں ہمارے ملک میں جو مختلف قوموں کا وطن ہے۔ وہ حالات پیدا کئے جائیں۔ کہ سب قومیں۔ ان کی زبانیں اور تہذیبیں کسی ایک قوم کے اثر و نفوذ سے آزاد ہو کر خود مختارانہ ترقی کر سکیں۔ ہمارے نزدیک پاکستان کی تمام قومیں مساوی حقوق کی مالک ہیں"۔ یعنی

بنا رہے ہیں گلستاں میں طائران بہار

وہ آشیاں کہ قفس کو بھی شرمسار کرے

جہاں تک سیاست دانوں کا تعلق ہے۔ سرحدی گاندھی کے فرزند کی اے۔ این۔ پی مسلم لیگ کی سب سے بڑی حلیف ہے اور قبل ازیں اس کے ساتھ اقتدار میں بھی رہ چکی ہے۔ مفتی محمود کا صاحبزادہ جس کا مرشد خانہ اب بھی انڈیا میں ہے، اس وقت پیپلز پارٹی کیساتھ شریک اقتدار ہے۔ باقی رہے جی۔ ایم۔ سید تو جب وہ بقید حیات تھا مملکت خداداد کی سب سے باختیار شخصیت یعنی صدر پاکستان کئی بار برائے عیادت خود چل کر اسے کے گھر گئے۔ یاد رہے کہ یہ وہی سیاستدان ہیں جنہوں نے اوائل 1972ء میں اپنی سالگرہ کے موقع پر کہا تھا کہ " پاکستان کے موجودہ انتشار۔ افراتفری اور پسماندگی میں چار عناصر کا ہاتھ ہے۔ یعنی دو قومی نظریہ۔ مذہبی نظام حکومت کا تخیل۔ فسطائیت نظریہ سیاست اور پڑوسی ملکوں سے دشمنی۔ اب ذرا سندھ سے ہٹ کر بلوچستان کی طرف آیئے۔ وہاں کے (اس زمانے میں) وزیر اعلیٰ سردار عطاء اللہ مینگل نے 1972ء میں کہا تھا کہ "جس دو قومی نظریہ کی اساس پر پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔ وہ خلیج بنگال میں غرق ہو چکا ہے"۔ یقین جانیئے یہ اور اسی ذہنیت کے اکثر اور حضرات بھی ہیں جو دو قومی نظریہ تو ایک طرف۔ وہ سرے سے پاکستان کے بھی مخلص نہیں۔ مفتی محمود نے اعلانیہ کہہ دیا تھا کہ "میں پاکستان بنانے کی غلطی میں شامل نہیں" جی۔ ایم۔ سید پارٹی کے کارکن سندھ کی علیحدگی کے جوش میں پاکستان کا جھنڈا تک جلا چکے ہیں۔ ادھر اسلام اور پاکستان کے متعلق خان عبدالولی خاں کی کیا رائے ہے تو سنیئے۔ فرماتے ہیں۔ "دو قومی نظریہ ختم ہو چکا ہے۔ اسلام کی باتیں ڈیڑھ ہزار سال پرانی اور فرسودہ ہیں۔ پچیس سال کے تجربے نے ثابت کر دیا ہے۔ کہ نظریہ پاکستان غلط تھا" کیوں نہ ہو۔ یہ اس کٹر شخصیت کے فرزند ہیں۔ جنہوں نے 1969ء میں کابل سے بھارت جاتے ہوئے کہہ دیا تھا کہ "میں نے دو قومی نظریہ کو کبھی تسلیم نہیں کیا اور نہ ہی کبھی ایسا کروں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری اکثر مشکلات کا سبب یہ ہے کہ ہم مذہب کو قومیت کیساتھ ملا دیتے ہیں"۔

برادران محترم! جو کچھ آپ سن رہے ہیں کسی انفرادی سوچ کا نتیجہ نہیں۔ ایک متحدہ محاذ ہے جو پچھلے ساٹھ سال سے وطنی قومیت کے حامیوں نے علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کی قرآنی فکر کے خلاف کھول رکھا ہے۔ سچ پوچھیں تو یہ حق و باطل کی کشمکش ہے۔ یہ دین و مذہب کا معرکہ ہے یہ تحریک علی گڑھ اور تحریک دیو بند کا ٹکراؤ ہے۔ جس کی تان آجا کے اسی ایک نکتہ پر ٹوٹتی ہے۔ کہ دو قومی نظریہ غلط بنیاد پر ایک غلط نظریہ ہے۔ سقوط ڈھاکہ کے موقع پر جشن فتح بنگالہ' پر ہدیہ تبریک کے جواب میں اس زمانہ کی بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے کہا تھا "یہ کامیابی ہماری فوجوں کی کامیابی ہے نہ حکومت کی کامیابی۔ یہ کامیابی ہے حق پر مبنی نظریہ کی۔ اس نظریہ کے خلاف جو باطل پر مبنی تھا------ ہم انہیں بار بار سمجھاتے رہے کہ ان کا نظریہ غلط ہے۔ انہوں نے نہ مانا------ اب پچیس سال کے تجربہ نے بتا دیا ہے کہ جو کچھ ہم کہتے تھے وہ حق تھا اور ان کا نظریہ باطل" اسی سے ملتے جلتے الفاظ ہز ماسٹرز وائس کی حیثیت سے بنگلہ دیش کے صدر مسٹر نذر الاسلام نے بھی ادا کر دیئے۔ فرمایا "ہماری یہ فتح نہ کسی فوج کی فتح ہے نہ کسی ملک کی۔ یہ فتح ہے حق

کی باطل پر- یہ فتح ہے ایک صحیح نظریہ کی غلط نظریہ پر- ان لوگوں کو لاکھ سمجھایا تھا کہ یہ نظریہ غلط ہے اور ناممکن العمل- اس پر اصرار نہ کرو- یہ نہ مانے- لیکن چوبیس سال کے تجربہ نے یہ ثابت کر دیا کہ جو نظریہ یہ لوگ پیش کر رہے تھے وہ باطل تھا-

کیا غلط تھا اور کیا درست- اس کا فیصلہ تو وقت ہی کرے گا- البتہ اگر سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان- جعفر و صادق کے فریب میں نہ آتے تو برصغیر کا نقشہ کچھ اور ہوتا- اگر ہندوؤں کیساتھ مل کر نیشنلسٹ مسلمان اور علماء کرام تحریک پاکستان کی مخالفت نہ کرتے تو تقسیم ہند کی نوعیت موجودہ سے بہت مختلف ہوتی- بہرحال اپنے مذموم عزائم میں وہ لوگ ایک تو ہمارے اپنوں کی دشمنی کی وجہ سے کامیاب ہوئے- دوسرے مشرقی پاکستان کی نوجوان نسل مخالفانہ پروپیگنڈہ سے اس حد تک متاثر ہوئی کہ اس کے نزدیک وطن کے مقابلہ میں دین کی حیثیت اختیاری اور ثانوی ہو کر رہ گئی- انہی خطوط پر اب سرحد- بلوچستان اور سندھ نے سوچنا شروع کر دیا ہے- کہ وطن کی محبت مذہب کے راستے میں حائل نہیں ہو سکتی-

علامہ اقبالؒ نے یقیناً ایسی ہی صورت حال سے مسلمانوں کو متنبہ کیا تھا- فرمایا کہ "اگر بعض مسلمان اس فریب میں مبتلا ہیں- کہ دین اور وطن بہ حیثیت ایک سیاسی تصور کے یکجا رہ سکتے ہیں- تو میں بروقت مسلمانوں کو انتباہ کرتا ہوں کہ اس راہ کا آخری مرحلہ اول تو لادینی ہو گی اور اگر لادینی نہیں تو اسلام کو محض ایک اخلاقی نظریہ سمجھ کر اس کے اجتماعی نظام سے لاپرواہی"- (اقبال اور قرآن ص 217)

آگے بڑھنے سے پہلے تحریک پاکستان کے سلسلہ میں ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ (مرحوم) کے (روزنامہ جنگ میں شائع شدہ) مضمون کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں-

"تحریک پاکستان دراصل شریعت کی تعبیر نو کا دوسرا نام ہے- جو لوگ تحریک پاکستان کے مخالف تھے- وہ اپنے نقطہ نظر سے شریعت کی تعبیر کرتے تھے- اور علامہ اقبالؒ نے شریعت کے اپنے اصول بیان کئے------ جب یہ دونوں تعبیریں فیصلے کیلئے برصغیر میں بسنے والی امت مسلمہ کے سامنے پیش ہوئیں- تو امت نے اقبالؒ اور قائدؒ کی شریعت کو قبول کیا"-

اس فیصلے کے بعد اگر مخالفین میں کچھ اخلاقی جرات ہوتی- تو اپنی شکست کو تسلیم کرتے ہوئے اس کا کریڈٹ اقبالؒ اور جناحؒ کو پوری فراخدلی سے دیتے- اور ان کی تعبیر اسلام کو درست مان لیتے- لیکن انہوں نے نہایت بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نتائج کو تحریف و تنسیخ کے ذریعہ اپنے نام ہبہ کرنے کا جو بھونڈا طریقہ اختیار کیا وہ از حد شرمناک ہے- ملاحظہ فرمائیں اس کی کچھ تفصیل مولانا غلام مرشد کی زبانی- لکھتے ہیں "پہلی چیز جو میرے لئے روحانی کرب کا باعث ہوئی- وہ جماعت اسلامی کے موجودہ امیر میاں طفیل محمد صاحب کی پیش کردہ یہ تثلیث تھی کہ جداگانہ مملکت کا خیال اقبالؒ نے دیا' پاکستان کا نظریہ مودودی صاحب نے عطا فرمایا اور محمد علی جناحؒ نے اس کے مطابق ایک مملکت حاصل کر لی- اس کی روش میں یوں نظر آتا ہے- کہ رفتہ رفتہ اس مثلث کے چھوٹے دونوں ضلعے یعنی اقبالؒ اور جناحؒ ختم کر دیئے جائیں گے اور مودودی صاحب خط مستقیم بن کر بانی پاکستان کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آجائیں گے- تاریخ میں اس قسم کی تنسیخ و تحریف کوئی نیا

واقع نہیں۔ (تحریک پاکستان از چوہدری حبیب احمد ص 796)

خیر یہ تو بھلا ہو میاں طفیل صاحب کا کہ انہوں نے اس قسم کے قبضہ کے لئے اور کچھ نہیں تو کم از کم ایک مثلث کی ضرورت تو محسوس کی۔ لیکن آپ حیران ہوں گے کہ ایسی مثالیں بھی سامنے آرہی ہیں کہ تقدس کے حصار میں براجمان بعض نورانی چہروں نے کسی مثلث کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی اور قلم کی ایک جنبش سے پاکستان کا تصور۔ دو قومی نظریہ غرضیکہ تحریک پاکستان کا سب کچھ فرد واحد کی جھولی میں ڈال دیا۔ ملاحظہ فرمائیں ایک اقتباس۔

"حضرت تھانوی کا دو قومی نظریہ۔ یہ وہ مرد درویش تھے جو پہلے پہل ہندوستان میں پاکستان کی داغ بیل ڈال رہے تھے۔ مسلم لیگ نے تو کافی بعد میں آکر دو قومی نظریہ اور پاکستان کی تحریک کو اپنایا"۔ (ص 5)

"حضرت تھانوی نے اپنا نظریہ نہیں بدلا اور مسلم لیگ کا نظریہ قبول نہیں کیا۔ جب مسلم لیگ نے حضرت تھانوی کے نظریہ کو قبول کر لیا۔ اس وقت حضرت نے اس کی تائید کی"۔ (ص 7)

"اسلامی سلطنت کے قیام کا خیال علامہ اقبال نے مسلم لیگ کے متذکرہ اجلاس (29 دسمبر 1930ء آل انڈیا مسلم لیگ الہ آباد) میں پیش کیا۔ مگر بالکل وہی خیال ان سے بہت پہلے حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ اپنی مجلس عام میں کئی بار ظاہر فرما چکے تھے۔ گویا دربار اشرفیہ میں حصول اور بقاء پاکستان کا لائحہ عمل اور نظام پاکستان کا نقشہ اس وقت پیش ہو چکا تھا جب پاکستان کے چاہنے والوں کو ابھی اس کا خواب و خیال بھی نہ تھا"۔ (ص 9-8)

(تحریک پاکستان اور علماء دیو بند کا کردار از مفتی عبدالشکور)

وقت اگر اجازت دیتا تو ان اقتباسات پر بھی کچھ کہا جاتا۔ اختصار کے پیش نظر ان سطور سے یہ بتانا مقصود ہے کہ 'خدائی مشن' کے کرتا دھرتا پاکستان کی نظریاتی سرحدوں پر کس قسم کے شبخون مار رہے ہیں۔ بہرحال جب کبھی مستند تاریخ مرتب ہوئی ان باتوں کا فیصلہ تو آنے والا مورخ ہی کرے گا۔ ہمارے ذمہ تو یہ بتانا مقصود ہے کہ دو قومی نظریہ اور بقاء پاکستان لازم ملزوم ہیں۔ مملکت کا استحکام۔ سالمیت اور احیاء اسلام ہمارا دینی فریضہ ہے۔ لہٰذا

1- جب تک ہمارے آئین میں یہ شق نہ رکھی جائے کہ مسلم اور غیر مسلم ایک قوم نہیں قرار دیئے جا سکتے۔ نہ مملکت اسلامی ہو سکتی ہے نہ ہمارا آئین اسلامی۔

2- جب تک ہمارے آئین میں یہ شق نہیں رکھی جاتی کہ مسلمانوں میں متعدد قومیتوں کا نظریہ اسلام کی ضد اور مملکت کے خلاف بغاوت کے مرادف ہے۔ نہ ملت واحدہ وجود میں آسکتی ہے۔ نہ پاکستان محفوظ رہ سکتا ہے۔

3- جب تک دو قومی نظریہ کو ہمارے نصاب تعلیم میں شامل نہیں کیا جاتا۔ پاکستان کا مستقبل مستحکم نہیں رہ سکتا۔

4- ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر جتنے بھی اسلامی پروگرام پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ مذہبی۔ اخلاقی اور رسمی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ جب تک ہم اپنی تحریروں اور تقریروں میں اسلام کو قرآن کے حوالہ سے ایک مکمل نظام حیات کے طور پر پیش نہیں کریں گے۔ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے یوم منانے سے کچھ حاصل

نہیں ہو گا۔

اور آخر میں حکومت اور اپوزیشن کے معزز راہنماؤں کی خدمت میں ایک مودبانہ گذارش۔ یہ مملکت ایک نظریاتی مملکت ہے۔ اس لئے قومی نظریات کی حفاظت اور سرپرستی آپ کا اخلاقی اور دینی فریضہ ہے۔ اگر آپ کی باہمی مفاہمت سے دو قومی نظریہ آئین اور نصاب تعلیم میں شامل ہو جائے تو یہ نہ صرف ایک تاریخی کارنامہ ہو گا۔ بلکہ سب کے لئے باعث صد افتخار اور رحمتوں کا پیشہ خیمہ۔

خداوند کریم آپ کو توفیق بخشے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کراچی صدر اور حیدر آباد (قاسم آباد) سندھ میں

سلسلہ وار درسِ قرآن کریم کا اہتمام (بذریعہ ویڈیو کیسٹ) مندرجہ ذیل مقامات پر کیا گیا ہے۔

شہر و مقام		دن	وقت
کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ زیب النساء سٹریٹ بالمقابل رفٹ رائٹ شوز شاپ	جمعۃ المبارک	10 بجے صبح
حیدر آباد	12-B حیدر آباد ٹاؤن فیز 2 بالمقابل نسیم نگر قاسم آباد	جمعۃ المبارک بعد نماز عصر	

دعوت عام ہے تشریف لائیں

قرآنی لٹریچر۔ جملہ مطبوعات طلوعِ اسلام ٹرسٹ، مجلّہ طلوع اسلام کے تازہ شمارے درس کے دوران 35% رعایت کے ساتھ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

رابطہ:

ایاز حسین انصاری نمائندہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر، بزم طلوع اسلام قاسم آباد حیدر آباد (سندھ)
ٹیلی فون: کراچی 4571919 حیدر آباد 654906

طلوع اسلام کنونشن 1995ء

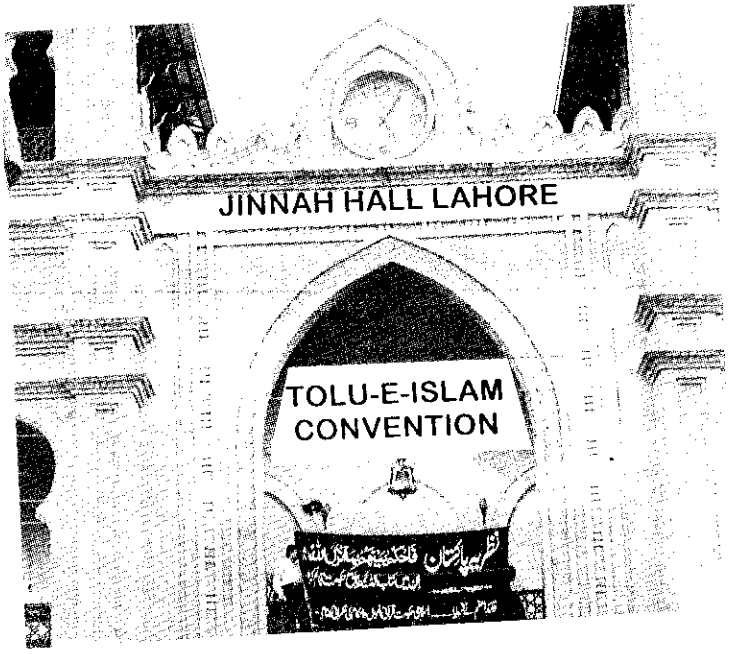

جناب ایاز حسین انصاری
چیئرمین ادارہ طلوع اسلام

محترمہ ڈاکٹر زاہدہ خانم درانی
سربراہ طلوع اسلام ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روئیداد کنونشن

رپورٹ :- محمد لطیف چوہدری

چمن میں رقص کرتے جب ترے آشفتہ سر آئے

ملک میں فکری خلفشار اور ذہنی آوارگی کے نتیجہ میں جو تباہی اور بربادی ہو رہی ہے' اس سے ہر قلب حساس نہ صرف پریشان ہے بلکہ اس اضطراب و پریشانی کا کوئی مداوا بھی چاہتا ہے- یہ تھے وہ حالات کہ جن حالات میں پچھلے سال کنونشن منعقد ہوئی تھی- خیال تھا کہ نئی حکومت کو وجود میں آئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا' حکومت مستحکم ہو گی تو وقت کے ساتھ ساتھ حالات بہتر ہو جائیں گے- ملک ترقی کریگا اور خلق خدا سکھ کا سانس لیگی لیکن چشم فلک نے دیکھا کہ حالات بد سے بد تر ہوتے چلے گئے- پہلے جو چنگاریاں تھیں وہ اب شعلہ جوالہ میں تبدیل ہو گئی ہیں- آج نہ کسی کی عزت محفوظ ہے نہ آبرو مصئون- نظم و نسق تہ و بالا ہو کر رہ گیا ہے- اطمینان و سکون عہد رفتہ کا افسانہ بن گئے ہیں- قوم میں کوئی لیڈر بھی ایسا نظر نہیں آتا' جو ذاتی یا گروہ پسندانہ مفاد سے بلند ہو کر' ملک و ملت کے مفاد و مصالح کو اپنے سامنے رکھتا- نہ قوم کے نام پر چیخ و پکار کرنے والوں کے دل میں قوم کا کوئی درد ہے- نہ اسلام کے نام پر خدا اور رسولؐ کا واسطہ دینے والوں کے سینے میں احیائے اسلام کی کوئی تڑپ- قوم کا اجتماعی زوال ہماری غیرت کے لئے ایک چیلنج ہے- غربت' جہالت' بدنظمی اور سیاسی خلفشار تو تھے ہی- اقتصادی بحران اور انتخوان شکن مہنگائی ان سب پر مستزاد ہیں- مایوسی کی ان اتھاہ تاریکیوں میں قرآنی معاشرے کی نشاۃ ثانیہ کی آرزو لئے کچھ آشفتہ سر ایسے بھی ہیں جو خدا کی کتاب عظیم کی شمع فروزاں ہاتھ میں لئے شہر شہر' گاؤں گاؤں' قریہ قریہ مصروف تگ و تاز ہیں کہ اس سے انسانیت کی راہیں روشن ہو جائیں- یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں' اعلانیہ کہتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں برملا کرتے ہیں- قرآنی فکر کو عام کرنا ان کا نصب العین ہے اور اس کے لئے واضح اور کھلے ذرائع نشرواشاعت اختیار کرنا ان کا پروگرام ہے- سکوت و سکون ہو یا ہوش ربا جذبات کی آندھیاں' تحریک طلوع اسلام کا یہ کارواں' قرآنی بصیرت کے دیئے کو سنبھالے' جذب و مستی سے رواں دواں ہے- اسوہ رسولؐ کی تتبع میں ہماری یہ دعوت رجعت الی القرآن کی دعوت ہے- نہ کسی سیاسی پارٹی سے کوئی لگاؤ ہے نہ مذہبی فرقوں سے کوئی نسبت-

آج اکتوبر کی 19 تاریخ ہے- شمع قرآنی کے پروانے ملک کے کونے کونے سے امنڈتے چلے آ رہے ہیں- ان خلوص و محبت کے پیکران عظیم کا پہلا قافلہ کراچی سے پہلے ہی پہنچ چکا ہے- بزم چنیوٹ کے نمائندہ جناب آفتاب عروج' حسب سابق' امسال بھی رضوان کنونشن کا منصب سنبھالے مہمانوں کو خوش آمدید کہنے میں مصروف ہیں- تصور میں لایئے کہ یہ منظر کس قدر دیدنی ہو گا جب عاشقان پاک طینت' روح اور قلب کی یکجائی کے ساتھ' اجنبت کی تمام حدود سے ماوراء ہو کر ایک دوسرے سے گلے مل رہے ہونگے- یوں تو گلے ملنا ایک رسم ہی ہے لیکن یہاں جذب و کیف اور سرور و جانفزائی کے جذبات ان گلے ملنے والوں کی ذہنی رفعتوں کا

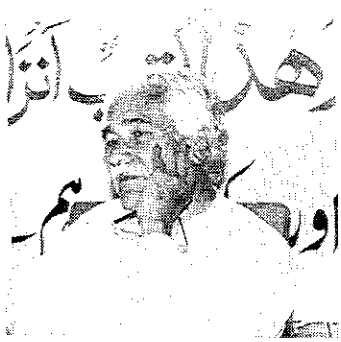

اوپر: محترم عبیدالرحمان ارائیں
وائس چیئرمین

محترم محمد لطیف چوہدری
ناظم

محترم عبداللہ ثانی
وائس چیئرمین

درمیان: محترمہ صالحہ نغمی
نمائندہ بزم خواتین

محترم آفتاب عروج
رضوان کنونشن

محترم محمد عمر دراز
میزبان کنونشن

نیچے: محترم چوہدری فضل داد
ظہیر اقبال

محترم ہمدانی صاحب
نعت خواں

محترم خالد منصور نسیم
قاری

احساس دلا رہے تھے' جن کی زندگیوں کے نصب العین یہ ہے کہ اس دنیا کی زندگی- بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے گزارو-

ادارہ کے مرکزی دفتر کے علاوہ 24 بی کے مکین برگیڈیئر انعام الحق صاحب نے بھی ان دیوانوں کی رہائش کے لئے اپنا صحن اور ڈاکٹر زاہدہ درانی صاحبہ نے اپنا کلینک کھلے چھوڑ دیئے تھے- اس دور تنگ نگہی میں یہ کشادہ ظرفی ایک بلند قدر کے طور پر دلوں میں تمازت ایمانی پیدا کرنے کا باعث بنی کہ اس کا تذکرہ شب بھر رہے۔

خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے

19 اکتوبر کی دوپہر ڈھلنے تک مندوبین کی اکثریت تشریف لا چکی تھی- پنڈال کی تزئین و آرائش اس دفعہ چونکہ بزموں کے ذمہ تھی اس لئے احباب رنگا رنگ' تصویروں' چارٹوں اور قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ پر مبنی بینروں سے پنڈال کی دیواروں کو سجانے میں مصروف تھے- پنڈال سج چکا تو ناظم ادارہ کی آواز گونجی ؎

جگر میں سوز' دل میں درد اور آنکھوں میں دو آنسو
ذرا تو دیکھ لے آکر میں کیا کیا لے کے آیا ہوں

حضرات پنڈال کی طرف قدم بڑھایئے-

اس دنیا میں لوگ جب بھی اپنی زندگیوں کے مقاصد کی ہم آہنگی اور فکری یک رنگی کے بل پر غور و تدبر کرتے ہیں تو اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ ایک نہ ایک دن ایسا معاشرہ یقیناً وجود میں آجائیگا' جس میں تمام اوصاف حمیدہ محسوس اور منضبط شکل میں جلوہ بار' ہو رہے ہونگے- ان تاریکیوں کو نورانیت میں بدلنے کا عزم رکھنے والے کوہکن اپنی اپنی داستان عزم و استقلال سنانے کے لئے آج پھر یہاں جمع تھے-

ایبٹ آباد سے جناب غلام مصطفیٰ اعوان' بوریوالہ سے جناب محمد اسلم صابر' پنج کسی سے ماسٹر عبدالعزیز' پشاور سے جناب عبداللہ ثانی' افغان کالونی پشاور سے جناب ڈاکٹر بشیر الحق' پیر محل سے جناب عبداللطیف' چنیوٹ سے جناب آفتاب عروج' چوٹی زیریں سے جناب حکیم مہر علی برمانی' حیدر آباد سے جناب ایاز حسین انصاری' راولپنڈی سے جناب چوہدری نثار احمد' سرگودھا سے جناب ارشد محمود' فیصل آباد سے جناب ڈاکٹر حیات ملک' ڈاکٹر طارق اور نویدہ حسن' کراچی سے جناب شفیق خالد' جناب محمد سرور' کوئٹہ سے جناب غلام صابر' کویت سے جناب عبیدالرحمان ارائیں' لاہور سے جناب محمد عمر دراز' ملتان سے ڈاکٹر ہمایوں مغیث' نواں کلی سے جناب مفرح شاہ' کینیڈا سے جناب یوسف ضیا صاحب اور بزم خواتین لاہور کی نمائندہ محترمہ صالحہ نغمی صاحبہ نے حاضرین مجلس سے خطاب فرمایا- ان خطابات سے جو بات کھل کر سامنے آئی اس کا ملخص یہ تھا کہ جہاں جہاں' جن حلقوں میں شمع قرآنی کے پروانے موجود ہیں' وہاں قرآن کی انقلاب آور آواز فردوس گوش بنتی جا رہی ہے- ادارہ نے اس رفتار کو تیز کرنے کے لئے مالی موانعات کے باوجود درجن سے زائد پمفلٹس شائع کئے ہیں جو بزموں کی رپورٹوں کے مطابق خوشگوار نتائج پیدا کر رہے ہیں- چیئرمین ادارہ نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اس بات کا اعادہ کیا کہ اگر ہم نے اپنے سوز جگر سے کام لیا تو ایک دن آئیگا کہ ملک کے کونے کونے کی تاریکیاں نورانی فضا میں تبدیل ہو کر جنت نشاں بن جائیں گی- یہ کوچہ عشق ہے اس میں تن' من' دھن کی

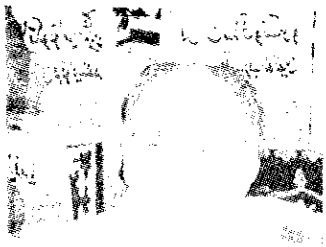

اوپر : محترم یوسف علی صاحب (کینیڈا)۔ محترم غلام مصطفیٰ اعوان ایبٹ آباد اور محترم ڈاکٹر محمد حیات ملک (فیصل آباد)
درمیان : ڈاکٹر ہمایوں مغیث (ملتان)۔ محترم مفرح شاہ (نواں کلی) اور محترم محمد اسلام صابر (بوریوالہ)
نیچے : محترم حکیم مہر علی برمانی (چوٹی زیریں)۔ محترم ماسٹر عبدالعزیز (پنج کسی) اور پروفیسر بشیر احمد منگی (حیدر آباد)

بازی لگانا شرط اول ہے۔

ان احباب کی گفتگو کا انداز اور ان کی نگاہوں کی کیفیت اس بات کا پتہ دے رہی تھی کہ منزلیں خود بڑھ کر ان کے نقش قدم چوم لیں گی۔ یہ محفل رات گیارہ بجے تک جاری رہی اس دوران مقصود بٹ صاحب کھانا کھلانے کے لئے بے حد مضطرب رہے۔ یہ فریضہ کبھی رشید صاحب مرحوم کے سپرد تھا۔ ان کی وفات سے لیکر آج تک یہ فرض اب لاہور چھاؤنی بزم سے منسلک مقصود بٹ صاحب ادا کر رہے ہیں۔ طعام گاہ کا حسن انتظام اس دفعہ قابل صد احترام شیخ سراج الحقؒ صاحب کے صاحبزادے برگیڈیئر انعام الحق صاحب کے حسن ذوق کا آئینہ دار تھا کہ انہوں نے نہ صرف کھانا کھلانے کے لئے اپنا خوبصورت لان (LAWN) فراہم کیا بلکہ اپنے حسن انتظام سے طعام گاہ کو فوج کے Offices Mess میں تبدیل کر دیا جہاں مہمان لذت کام و دہن سے زیادہ طعام گاہ کے حسن ترتیب سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ اپنے والد گرامی جناب شیخ سراج الحقؒ کی یاد تازہ رکھتے ہوئے برگیڈیئر صاحب نے مہمانوں کے لئے ناشتے کا اہتمام بھی خود ہی کیا۔ ان کے اس حسن سلوک کے نقوش تادیر ذہنوں پر مرتسم رہیں گے۔ شب بسری کا اہتمام مردوں کے لئے وہی ادارہ کی چار دیواری کے اندر "فرشی بستر" اور خواتین کے لئے ادارہ سے قدرے دور' ڈاکٹر زاہدہ درانی صاحبہ کا کلینک جو از راہ کرم انہوں نے ادارہ کے لئے خالی کر دیا تھا۔ بانی تحریک کی وفات کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ خواتین کی اتنی بڑی تعداد کنونشن میں شریک ہوئی۔ بزم فیصل آباد' چوٹی زیریں اور چنیوٹ کی بزمیں اس کے لئے مبارک کی مستحق ہیں۔ بزم خواتین ایبٹ آباد کا شدت سے انتظار رہا مگر شاید کسی مجبوری کی وجہ سے وہاں سے خواتین تشریف نہ لا سکیں۔ بایں ہمہ کنونشن میں شامل ہونے والے مندوبین کی تعداد اس دفعہ پہلے سے زیادہ۔ انتظامات پہلے سے بہتر اور کنونشن بقول شرکاء پہلے سے زیادہ کامیاب رہی۔ اب آیئے ان کھلے اجلاس کا حال دیکھتے ہیں۔ جو حسب سابق اس سال بھی جناح ہال لاہور میں ہو رہے ہیں۔ ادارہ کے مرکزی دفتر' 25 بی سے جناح ہال تک بسوں کا انتظام لاہور بزم کے چوہدری اشرف ظفر صاحب کی حسنِ کارکردگی کا غماز تھا۔ اس دور میں بھی بسیں وقت سے پہلے موجود تھیں جس دور میں بس سواری کا نہیں' سواری بس کا انتظار کرتی ہے۔

پہلا کھلا اجلاس -- 20 اکتوبر 95ء

آج جمعہ ہے۔ چھٹی کا دن۔ مگر چھٹی تو اس کے لئے ہوتی ہے جسے سبق یاد نہ ہو۔ چھٹی ان کے لئے ایک بے معنی لفظ ہے' جو قرآنی فکر سے بہرہ مند ہونے کے بعد اس راہ پر گامزن ہیں کہ ؎

دیکھا ہے جو خود تو نے
اوروں کو دکھلا دے

لاہور کا جناح ہال آج پھر متلاشیان حق کے لئے کھلا تھا۔ سامعین جوق در جوق ہال میں داخل ہو رہے تھے۔ 9 بجے تک ہال پر ہو چکا تھا۔ اللہ کے پاک نام اور نعت رسول مقبولؐ سے جلسے کی کاروائی کا آغاز ہوا۔ تلاوت قرآن پاک محترم خالد منصور نسیم نے اور نعت رسولؐ ملک کے نامور نعت خواں محترم محبوب احمد ہمدانی

20 اکتوبر 95ء
جناح ہال میں کنونشن کا کھلا اجلاس- سٹیج پر جناب عبداللہ ثانی' عبدالرحمان ارائیں صدر مجلس اور جناب ایاز حسین انصاری تشریف فرما ہیں-

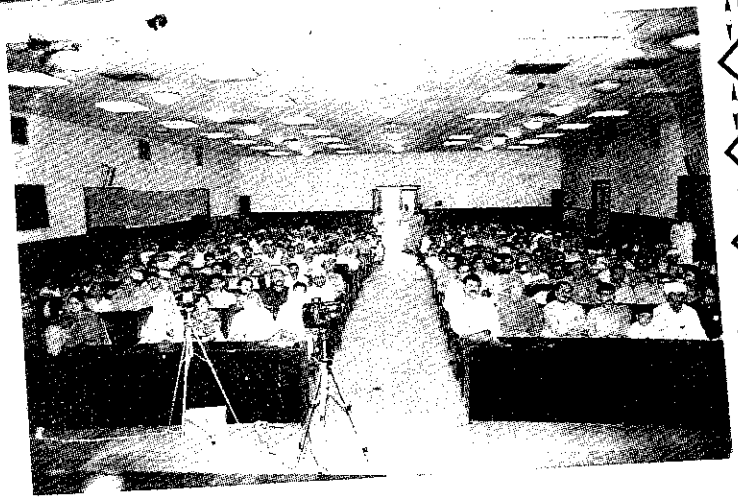

جناح ہال کا منظر

شرکاء محفل

نے پیش کی۔ صدارت کے لئے محترم عبیدالرحمان ارائیں' وائس چیئرمین ادارہ طلوع اسلام کا نام پکارا گیا۔ ادارہ کے چیئرمین جناب ایاز حسین انصاری اور وائس چیئرمین جناب عبداللہ ثانی صاحب اور ناظم ادارہ محمد لطیف چوہدری ان کے جلو میں تشریف فرما ہوئے۔

کنونشن کا ہر اجلاس قرآنی پیغام کے عام کرنے کے لئے ہوتا ہے اور ہر شریک محفل بھی اسی خیال سے ان اجتماعات میں شرکت کرتا ہے۔ ان اجتماعات میں ملک کا دانشور طبقہ شریک ہوتا ہے اور ایک سے زائد موضوعات زیر بحث آتے ہیں۔ اس نشست کے کمپیئر محترم محمد عمر دراز صاحب نے جو تحریک میں نمایاں مقام رکھتے ہیں' تحریک طلوع اسلام کا تعارف پیش کیا جو اسی پرچے میں شامل اشاعت ہے۔

جناب احمد حسین قیصرانی نے حفاظت جان و مال ہمارا بنیادی حق ! کو موضوع بحث بنایا۔ بوریوالہ سے جناب محمد اسلم صابر اور لاہور سے جناب محمد عاطف طفیل نے "تعلیم سے کیا حاصل" کے عنوان سے پرمغز مقالے پیش کئے۔ ان کے بعد ملک کے مایہ ناز ادیب اور قرآنی فکر سے سرشار' محترم ڈاکٹر صلاح الدین اکبر نے ایک ماہر نباض اور کہنہ مشق طبیب کی طرح پہلے معاشی بیماریوں کا تجزیہ پیش کیا اور پھر ان کا علاج تجویز کیا۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ خیال افروز مقالہ بھی مجلّہ طلوع اسلام کی اسی اشاعت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس نشست کے حساس ترین موضوع پر اظہار خیال کی دعوت طلوع اسلام کے صاحب طرز مقالہ نگار جناب علی محمد چدھڑ کو دی گئی۔ جناب چدھڑ صاحب نے اپنے روائتی دھیمے انداز میں بتایا کہ اساس پاکستان کیا ہے؟ اس کی حفاظت کیوں ضروری ہے اور کون ہیں جن کے مفادات اس کی مخالفت میں مضمر ہیں۔ ان کا یہ مقالہ ان لوگوں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے جو قصہ پارینہ سمجھ کر اس سے صرف نظر کئے ہوئے ہیں۔ چدھڑ صاحب کے مقالے کی چس ابھی باقی تھی کہ امت مسلمہ کی مزمن بیماری اور ملت پاکستانیہ پر اس کے مہلک اثرات کا تذکرہ لئے' محترم محمد عمر دراز صاحب سٹیج پر تشریف لائے ان کا موضوع تھا "فرقہ پرستی اور اس کا انسداد' قرآن کی روشنی میں"۔ روشنی ہو قرآن کی اور اسے ضیا بار کرنے والا ہو قرآن ہی کا ایک طالب علم تو پھر نہ کوئی فرقہ باقی رہتا ہے نہ کوئی فرقہ پرست۔

محترم محمد عمر دراز صاحب کا یہ بصیرت افروز مقالہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اساس پاکستان پر فیصل آباد سے عزیزہ بیٹی نغمہ فضل اور 'عورتیں بھی انسان ہیں' کے موضوع پر فیصل آباد ہی سے عزیزہ بیٹی نویدہ حسن نے بھی اظہار خیال فرمایا۔ نویدہ حسن نے عورت کے لئے ذہنی آزادی کا مطالبہ کیا کہ یہی ایک آزادی ہے جسے پا کر عورت نئی نسل کی ذہنی صحت کی ضمانت دے سکتی ہے۔ تعلیم جیسے اہم اور حساس موضوع' کہ جس پر ملت کی نئی نسل کی بقا کا انحصار ہے' پر علامہ غلام احمد پرویزؒ کی شاگرد رشید اور قرآنک ریسرچ سکالر محترمہ عارفی سلطانہ صاحبہ نے بھرپور انداز میں اظہار خیال فرمایا۔ان کی تقریر اگرچہ فی البدیع تھی پھر بھی ہم کوشش کریں گے کہ اسے طالبان شوق تک پہنچا سکیں۔

اتنے میں سورج ڈھل چکا تھا' نماز جمعہ کا وقت ہوا چاہتا تھا کہ صدر گرامی قدر جناب عبیدالرحمان ارائیں سٹیج پر تشریف لائے۔ عبدالرحمان ارائیں صاحب کنونشن میں شرکت کے لئے کویت سے تشریف لائے تھے۔ آپ

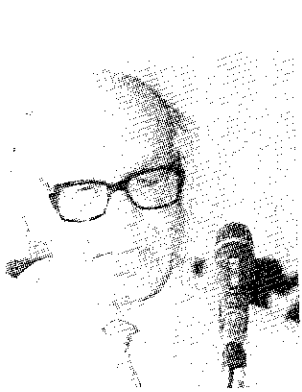

اوپر : محترمہ عارفی سلطانہ (لاہور)- محترم علی محمد چدھڑ (گوجرانوالہ) اور ڈاکٹر صلاح الدین اکبر (لاہور)
درمیان : محترم شعیب حسین (لاہور)- محترم عاطف طفیل (لاہور) اور ملک محمد حنیف وجدانی
نیچے : چنیوٹ بزم کا مستقبل عزیزہ قرۃ العین۔ محترم غلام صابر (کوئٹہ) اور محترم ڈاکٹر بشیر الحق (پشاور)

انجینئر ہیں اور قرآنی علوم پر آپ کو ایک گونا دسترس حاصل ہے۔ اپنی تقریر میں انہوں نے ایک ماہر نقاد کی طرح ایک ایک تقریر کا جائزہ لیتے ہوئے نہ صرف اپنے تاثرات پیش کئے بلکہ ان مقامات کو مزید اجاگر کیا جو ان کے خیال میں واضح نہ ہوئے تھے۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتے تھے اور سامعین بھی پورے جذب و انہماک سے ان کی تقریر سن رہے تھے لیکن نماز جمعہ کا وقت چونکہ ہو چکا تھا اس لئے ان کی تقریر کو روک کر نماز کے لئے' یہ اجلاس یہاں ختم کر دیا گیا۔

وقت کی قلت کے باعث احباب معاشی خرابیوں کے موضوع پر جناب بشیر احمد عابد صاحب کا مقالہ بھی نہ سن پائے جو انہوں نے کویت سے کنونشن کے اس اجلاس کے لئے خاص طور پر ارسال فرمایا تھا۔ ادارہ عابد صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انہیں یقین دلاتا ہے کہ موقع ملتے ہی یہ مقالہ شائع کر دیا جائیگا۔

بزم مذاکرہ

بزم مذاکرہ اس حقیقت کی مظہر ہوا کرتی ہے کہ قوم کا مستقبل اس کی ابھرنے والی نسل کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ان کا ذوق یقین اور جوشش کردار ایک بپھرے ہوئے سیلاب کی طرح امنڈتا ہے اور مخالفت کی ہر قوت کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتا ہے۔ طلوع اسلام ان نو نہالان ملت کے لئے ایسا پلیٹ فارم مہیا کرتا ہے جس پر سے یہ پوری آزادی سے اپنی قلبی احساسات اور فکری تاثرات کو قوم کے سامنے پیش کر سکیں' اس شرط کے ساتھ کہ وہ قرآنی حدود سے متجاوز نہ ہونے پائیں اور چونکہ طلوع اسلام مرد اور عورت کی مساوات کی قرآنی تعلیم کا بھی علمبردار ہے اس لئے اس مذاکرہ میں قوم کے بیٹوں کے دوش بدوش قوم کی بیٹیاں بھی شریک محفل ہوتی ہیں۔

طلوع اسلام نے قرآنی فکر و بصیرت کے عام کرنے سے قوم کے نوجوان طبقہ میں کس قسم کی قلبی تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ اس کی محفلیں مخلوط ہوتی ہیں لیکن کیا مجال کہ کسی گوشے سے نگاہ کی جنبش تک بھی بیباک ہونے پائے۔ یہ محفلیں' وقار و سنجیدگی اور ادب آموزی و متانت شعاری کا پرکیف و پرنور مرقع ہوتی ہیں۔ اور اس حقیقت کی صداقت کی زندہ شہادت کہ اگر قوم کے نوجوانوں کی صحیح تربیت کی جائے تو وہ کس طرح شرافت و نجابت کا پیکر بن جاتے ہیں۔ یہ حسین و جمیل محفل ٹیلی وژن کے معروف کمپیئر جناب طارق عزیز صاحب (پرائیڈ آف پرفارمنس) کی زیر صدارت ٹھیک ساڑھے تین بجے شروع ہوئی۔ نشست گاہ شروع ہی سے اپنی تنگی داماں کی شکوہ سنج تھی حالانکہ اس وسیع و عریض ہال میں زائد نشستوں کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔

نژاد نو کی اس مجلس کی کمپیئرنگ کی زمام کار' نوجوان نسل کی نمائندہ کینیرڈ کالج کی پروفیسر محترمہ صالحہ نغمی کے سپرد تھی۔ پہلے سے دیئے گئے موضوعات سے ہمیں 50 کے لگ بھگ مضامین موصول ہوئے جن میں ہر مضمون اس قابل تھا کہ اسے عوام کے سامنے پیش کیا جاتا لیکن وقت کی قلت کے پیش نظر اس کل پاکستان انعامی مقابلے میں صرف 14 مقالے پیش کئے جا سکے۔ مقالہ نگاروں کے اسماء گرامی اور ان کے پیش کردہ مقالوں

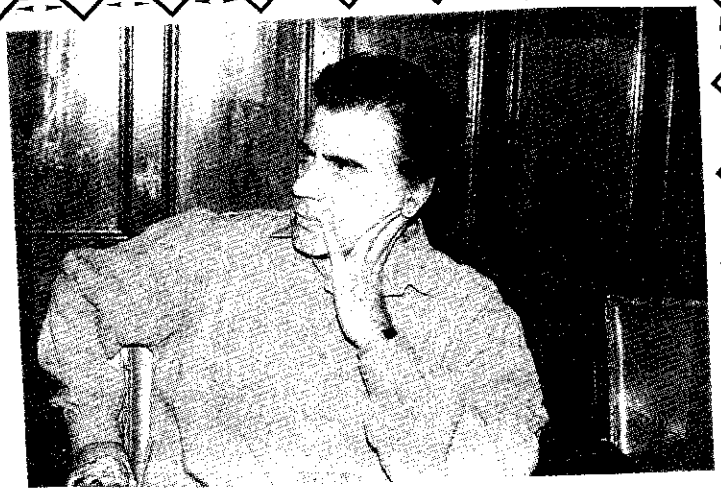

20 اکتوبر 95ء - جناح ہال
جناب طارق عزیز صاحب
صدر بزم مذاکرہ

طلبا و طالبات کے مابین کل پاکستان انعامی مقابلے کا فیصلہ کرنے کے لئے جج صاحبان کی مشاورت کا ایک منظر

نتائج کے انتظار میں

کے عنوانات درج ذیل ہیں۔

1- گورنمنٹ کالج سرگودھا کے ایم اے انگلش کے طالبعلم محترم محمد عمر فاروق مونس اور لاہور سے بی ایڈ کی طالبہ محترمہ شان زہرہ نے بتایا کہ "قرآن خالص کی تعلیم کیوں عام نہیں ہو رہی؟"

2- گورنمنٹ کالج برائے خواتین فیصل آباد کی ایم اے انگلش کی طالبہ محترمہ جویریہ مختار اور لاہور سے بی اے فائنل کی طالبہ محترمہ مریم صدیقہ طاہرہ نے "میں نے قرآن سے کیا سیکھا؟" کا موضوع اپنایا۔

3- لاہور سے بی اے فائنل کے طالبعلم محترم شعیب حسین نے اور لاہور ہی سے بی ایس سی فائنل کے طالب علم محترم شہزاد انور نے بتایا کہ "قوموں کی تعمیر فکر سے ہوتی ہے ہنگاموں سے نہیں"۔

4- گورنمنٹ کالج لاہور کے سال چہارم کے طالب علم محترم عبدالغفور انجم اور جامعہ پنجاب کی ایم اے اسلامیات کی طالبہ محترمہ مہ جبیں حنیف نے "مغرب کی ثقافتی یلغار (بلخصوص فحاشی) کا مقابلہ قرآنی حوالہ سے" پر بصیرت افروز تقاریر کیں۔

5- اسلامیہ ڈگری کالج نارووال کے بی اے فائنل کے طالب علم محترم ظفر اقبال ظفر اور منہاج القرآن اسلامک یونیورسٹی کے سال ششم کے طالب علم محترم حافظ محمد عابد اور شعبہ اردو پشاور یونیورسٹی کی طالبہ محترمہ زینت ایوب نے "ہمارے نظام تعلیم کی خرابیاں اور اصلاح کے طریقوں" پر روشنی ڈالی۔

6- عورتیں بھی انسان ہیں؟ اس موضوع پر علامہ اقبال یونیورسٹی کی ایم اے فائنل کی طالبہ محترمہ گوہر جمال طوسی' لاہور سے بی اے فائنل کی طالبہ محترمہ مریم بٹ اور گورنمنٹ کالج سرگودھا کی طالبہ نادیہ شہباز ملک نے اظہار خیال فرمایا۔

منصفین کے فیصلے کے مطابق (جو یقیناً ایک بہت ہی مشکل کام تھا) عزیزہ بیٹی گوہر جمال طوسی۔ اول' عزیزہ بیٹی جویریہ مختار۔ دوم اور عزیزہ بیٹی شان زہرہ تیسرے انعام کی حقدار قرار پائیں جبکہ عزیزہ بیٹی زینت ایوب' عزیز عبدالغفور انجم اور عزیز حافظ محمد عابد حوصلہ افزائی کے انعام کے حقدار قرار پائے۔ سنہری' نقرئی اور کانسی کے تمغوں اور نقد انعامات کے علاوہ' مجلس مذاکرہ کے لئے مضمون لکھنے والے سبھی طالب علموں کے نام ایک سال کے لئے پرچہ جاری کر دیا گیا ہے۔ طلبا سے التماس ہے کہ اگلے سال چونکہ وہ کالج سے فارغ ہو جائیں گے اس لئے ہو سکے تو اپنے گھروں کے ایڈریس دے دیں تاکہ پرچہ ان کے نام جاری رہے۔

ادارہ اس مقابلے میں حصہ لینے والے تمام طلبا و طالبات کا ممنون ہے اور توقع رکھتا ہے اپنے ذوق قرآنی کو اپنی ذات سے بڑھا کر اپنے ساتھی طالب علموں تک بھی پہنچائیں گے اور اپنے جذب و شوق کو تیز تر کرتے ہوئے آئندہ سال بھی اس مذاکرہ میں حصہ لیں گے۔ یہ مذاکرہ حسب سابق اکتوبر 96 میں ہو گا۔ موضوعات کا اعلان اگست میں کر دیا جائیگا۔ اس دوران طلبا ادارہ ہذا کو اس ضمن میں اپنی مشکلات اور اپنے مفید مشوروں سے نواز سکیں تو ادارہ اس کے لئے بھی مشکور ہو گا۔

تقسیم انعامات کے بعد صدر مجلس نے اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہوئے یہ توقع ظاہر کی کہ کنونشن کا یہ اجلاس اگلے سال اقبال پارک کی کھلی فضا میں منعقد ہو گا۔

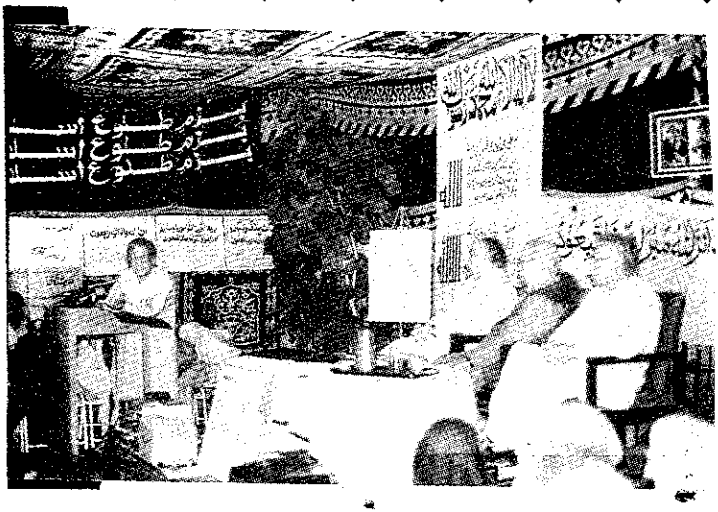

ناظم ادارہ بزمہائے طلوع اسلام کے تعارفی اجلاس کا آغاز کر رہے ہیں سٹیج پر جناب عبداللہ ثانی' جناب ایاز حسین انصاری اور جناب عبیدالرحمان ارائیں تشریف فرما ہیں۔

مندوبین
ہمہ تن گوش ہیں

مندوبین کنونشن کا
ایک اور منظر

بزم مذاکرہ کے اختتام پر کنونشن کے پروگرام اختتام پذیر ہوئے اور احباب کی اکثریت نے جناح ہال ہی سے رخصت چاہی۔ 21 اکتوبر 95ء کا دن انتظامی امور طے کرنے کے لئے ادارہ کی کونسل کے اجلاس کے لئے مختص تھا۔ اس اجلاس کی کاروائی بزموں کو بذریعہ خبرنامہ ارسال کر دی گئی ہے۔

کنونشن کے آخر میں اجلاس میں درج ذیل قرار دادوں کے علاوہ چیئرمین ادارہ جناب ایاز حسین انصاری کی طرف سے ناظم ادارہ نے مہمانان گرامی کا شکریہ ادا کیا اور وضاحت کی کہ مالی موانعات کے علاوہ وسائل کی کمی اور جگہ کی تنگی ہماری راہ میں بری طرح حائل رہی ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے مہمان نوازی میں میزبان بزم۔ منتظمین کنونشن یا ادارہ اپنے مہمانوں کی توقعات پر پورا نہ اتر سکا ہو جس کے لئے ادارہ اپنے مہمانوں سے معافی کا خواستگار ہے اور توقع رکھتا ہے کہ مقصد کی بلندی کے پیش نظر احباب میزبانوں کی لغزشوں' کوتاہیوں اور فروگذاشتوں کا نوٹس نہیں لیں گے۔

قراردادیں

کنونشن کے آخری اجلاس میں مندرجہ ذیل قراردادیں اتفاق رائے سے منظور کی گئیں۔

1- کنونشن کا یہ اجلاس چیف کارپوریشن آفیسر۔ بلدیہ عظمیٰ لاہور اور ان کے سٹاف کا تہہ دل سے ممنون ہے کہ انہوں نے قرآنی فکر کی نشرواشاعت کے لئے جناح ہال بلا معاوضہ فراہم کر کے اسلام دوستی کا عملی ثبوت دیا۔

2- کنونشن کا یہ اجلاس۔ ناظم ادارہ محمد لطیف چوہدری' میزبان بزم کے نمائندہ محترم محمد عمر دراز اور ان کے رفقا و معاونین' جناب میجر یوسف ڈار اور محترم مقصود بٹ صاحب کا کنونشن کے حسن انتظامات اور میزبانی کے فرائض کی حسن کارانہ انجام دہی پر شکریہ ادا کرتا ہے۔

3- کنونشن کا یہ اجلاس محترم برگیڈیئر انعام الحق صاحب کا شکر گزار ہے کہ انہوں نے کمال وسیع القلبی سے اپنے گھر کے دروازے کنونشن کے جملہ انتظامات کے لئے کھول دیئے۔

○ ○ ○ ○ ○

ان قراردادوں کے بعد ان پیکران عزم و استقلال کا یہ آخری اجلاس بھی اختتام پذیر ہوا۔

بہت مختصر تھے محبت کے لمحے
مگر پھر بھی ہر لمحہ اک زندگی تھا

محمد لطیف چوہدری

PLEASE NOTE NEW 'TRUST-TEL': 5764484
طلوع اسلام ٹرسٹ کا نیا ٹیلیفون نمبر نوٹ فرمالیں: 5764484

جناب ایاز حسین انصاری صاحب
اپنی ٹیم کا تعارف کروا رہے ہیں۔

لذت کام و دہن
کا ایک خوبصورت
نظارہ

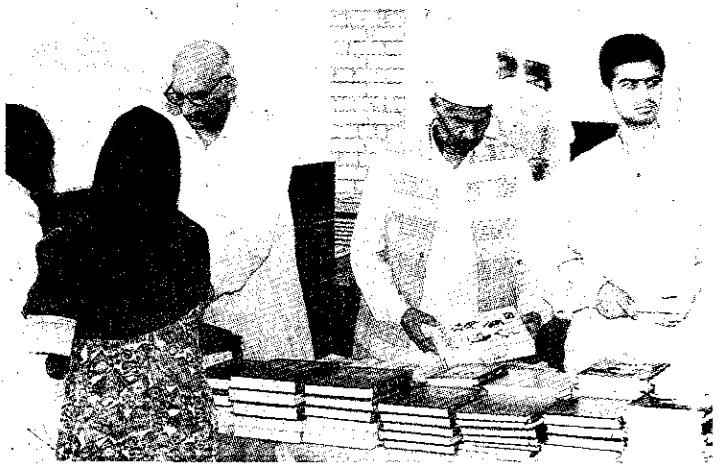

طلوع اسلام ٹرسٹ
کا
بک سٹال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

BOOK SAIF نقد و نظر

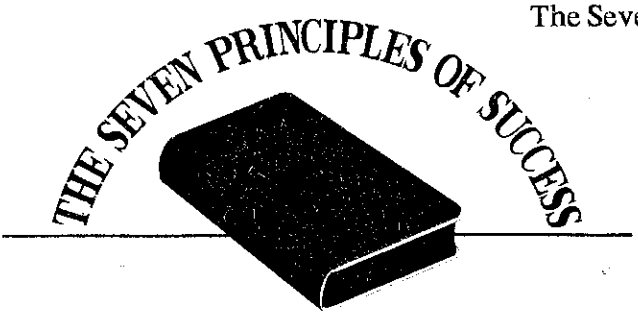

نام کتاب : The Seven Principles Of Success
مصنف : حسن رازی- انگلینڈ
صفحات : 55
قیمت : 65 روپے علاوہ ڈاک خرچ
ملنے کا پتہ : ادارہ طلوع اسلام
25 بی گلبرگ 2' لاہور - پاکستان

سر عیش جاوداں خواہی بیا پیر گردوں بامن ایں اسرار و گفت
ہم زمین ہم آسمان خواہی بیا از ندیماں راز ہا نتواں نہفت

Come, if you would like to know the secret
of everlasting successful life.

Come, if you would like to be successful in
every way in the present and in the future,

نفس اور نفسیات کی تمہیدی وضاحت کے بعد مصنف نے علامہ اقبالؒ کی کتب سے اردو اور فارسی اشعار کو منطقی انداز میں مربوط کر کے کامیابی کے سات اصول وضع کئے ہیں جن پر عمل کر کے انسان اس دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریاں حاصل کر سکتا ہے- وہ اصول ہیں- عشق -- خودی -- مقصد زندگی -- یقین محکم -- یہ ایماں کہ انسان اپنی تقدیر خود لکھتا ہے -- عمل پیہم اور نگاہ بلند-

اقبالؒ نے کہا تھا۔

یہی ہر چیز کی تقویم' یہی اصل نمود گرچہ اس روح کو فطرت نے رکھا ہے مستور

مگر مصنف کی ہمت ہے کہ انہوں نے انسان کی تقویم کو لفظی جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے- امکان غالب ہے کہ آج کا انسان ان اصولوں کو اپنا کر اپنا کھویا ہوا مقام پھر سے حاصل کر لے- مگر موجودات سے ثواب نہیں- عملاً جواب چاہئے- کیونکہ

یہ جوہر اگر کارفرما نہیں ہے تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی

علامہ اقبالؒ کے اردو' فارسی اشعار کی وضاحت انگریزی زبان میں کی گئی ہے- کتاب خوبصورت کاغذ پر دوست ایسوسی ایٹس نے طبع کی ہے اور اصل لاگت پر بلا منافع فروخت کے لئے پیش کی گئی ہے- یاد رہے کہ اس سے موصول ہونے والی کل آمدنی قرآنی فکر کی نشرواشاعت کے لئے وقف ہو گی- بزموں کی لائبریریوں اور انگریزی داں حضرات کو پیش کرنے کے لئے یہ ایک بہترین کتاب ہے-

○ ○ ○ ○ ○